Scanned by CamScanner

پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء

(اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں)

حصّہ اوّل

تصنیف

ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی

سید جمیل احمد رضوی

دارالفیض گنج بخش

لاہور

سلسلہ اشاعت نمبر ۶۴

عنوانِ کتاب	پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید و ارتقاء (اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں) (حصہ اوّل)
تصنیف	ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی پروفیسر ایمریطس، میکگل یونیورسٹی، مانٹریال، کینیڈا سید جمیل احمد رضوی سابق چیف لائبریرین، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
کمپوزنگ	ساجد محمود (۰۳۲۱-۴۳۱۰۴۸۶)
سن اشاعت	صفر المظفر ۱۴۳۹ھ/ ۱۹ نومبر ۲۰۱۷ء
ہدیہ	ایصالِ ثواب اُمت رسول ﷺ

ملنے کے پتے

دار الفیض گنج بخش

۵۵۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری روڈ، ریلوے روڈ (گوالمنڈی)، لاہور

موبائل نمبر: 0321-4148064,0300-4009874

حکیم محمد سلیم مرتضائی، مرتضائی دواخانہ، بالمقابل گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سرگودھا روڈ، فیصل آباد

بیاد

حضرت شیخ سید علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہ العزیز جنہوں نے برصغیر سندھ میں ۱۰۳۱ تا ۱۰۷۱ عیسوی دین حق کی تعلیمات کو پھیلایا۔ ان کا در فیض آج بھی کھلا ہوا ہے۔ نیازمندان داتا گنج بخش اپنے دامن میں گوہر مراد بھر کرلے جاتے ہیں اور اپنی زبان قال وحال سے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

بفیضانِ نظر

لاہور کے مستورالحال درویش حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے عشق رسول کا علم تھامے رکھا، محبت رسول کی شمع کو روشن رکھا۔ فکر رضا کو ایک عالمی تحریک بنایا۔ کتاب کی خوشبو کو پھیلا کر علم و عرفان کو عوام و خواص تک پہنچایا۔ فیض موسوی آج بھی جاری ہے۔ تلاش و جستجو کے متوالے ان کے مخزن علم سے برابر مستفید ہو رہے ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اعزاز

یہ کتاب حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ
کے اٹھارویں سالانہ عرس مبارک
صفر المظفر ۱۴۳۹ھ/۱۹ نومبر ۲۰۱۷ء
کے موقع پر تقسیم کی جارہی ہے

انتساب

حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۷۔نومبر ۱۹۹۹ء) کے نام جن کی کتاب دوستی اور علم پروری کا جذبہ آج تک توانا ہے۔اس کا ثبوت ان کا وہ ذخیرۂ کتب ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور میں محفوظ ہے۔اس ذخیرے میں اب تک قریباً چودہ ہزار کتابیں جمع ہو چکی ہیں جو علم کی روشنی پھیلا رہی ہیں۔تلاش کرنے والے کو ان سے گوہر مراد مل جاتا ہے۔اس ذخیرہ میں کتابوں کو بطور عطیہ دینے کی روایت زندہ ہے۔اس کا سہرا میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی ضیائی اور میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی کے سر ہے جنہوں نے مطبِ موسوی کی روایت کو زندہ رکھا ہے۔

وضاحت

ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی صاحبہ نے دسمبر ۲۰۱۲ء میں راقم السطور (سید جمیل احمد رضوی) سے لاہور میں ایک ملاقات میں کہا تھا کہ یہ کتاب ہماری مشترکہ تصنیف ہوگی یعنی میری حیثیت اس تصنیف میں شریک مصنف (Joint author) کی ہوگی۔ پھر بعد میں بھی انھوں نے کئی بار ای۔میلز (e.mails) کے ذریعے اس کا اظہار کیا۔ میری ڈاکٹر صاحبہ سے لاہور میں آخری ملاقات ۱۲ مارچ ۲۰۱۷ء کو ان کی رہائش گاہ پر ہوئی۔ اس میں مَیں نے زیرِ حوالہ (حصہ اول) کا اردو مسودہ ان کو دکھایا۔ انھوں نے اس کو دیکھ کر کہا کہ اپنا نام شریک مصنف کی حیثیت سے لکھیں۔ میں نے یہ نکتہ بھی اٹھایا کہ آپ نے انگریزی میں لکھے گئے دو مقالات میں ''میری تحقیق'' یا ''میری کتاب'' لکھا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس اردو ترجمہ میں ''ہماری تحقیق'' یا ''ہماری کتاب'' کر دیں۔ ڈاکٹر صاحبہ کے اصرار پر میں نے اسی طرح کر دیا ہے۔ انھوں نے لاہور سے جاتے وقت ۲۵۔ مارچ ۲۰۱۷ء کو فون پر بات کرتے ہوئے مجھے کہا کہ اس اردو کتاب کا سارا کام آپ ہی کریں۔ مزید تحقیق میں غالباً ان کی صحت کے مسائل رکاوٹ بن رہے ہیں۔ اس کی تفصیل میں نے ''مقدمہ'' میں دے دی ہے۔

فہرست مندرجات

......☆......

مقدمہ

زیر نظر کتاب اس تحقیقی منصوبے کا پہلا حصہ ہے جو پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کی تجدید وارتقاء پر اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی سے متعلق ہے یعنی ۱۷۶۰ء سے لے کر ۱۸۵۰ء تک۔ اس منصوبے کا خاکہ پروفیسر ڈاکٹر ساجدہ سلطانہ علوی صاحبہ نے تیار کیا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے غالباً اگست ۲۰۰۴ء میں مجھ سے فون پر رابطہ کیا اور اس تحقیق کے بارے میں بات کی۔ میں اس وقت نقوش، لاہور کے قرآن نمبر کے لیے کام کر رہا تھا۔ میں نے اس مجلہ کے قرآن نمبر کی پہلی چار جلدوں کا وضاحتی اشاریہ بنایا اور کچھ مضامین بھی لکھ رہا تھا۔ یہ ابھی تک شائع نہیں ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی مصروفیت کا اظہار کیا۔ پروفیسر صاحبہ نے بتایا کہ یہ منصوبہ بھی دینی نوعیت کا ہے۔ اس کو آپ دیکھیں۔ میں ڈاکٹر صاحبہ کے مشورے کے مطابق ان کے مسکن (واقع شاہ جمال) پر پہنچا۔ انھوں نے اس منصوبے کا خاکہ میرے سامنے رکھا اور اس حوالے سے معاونت کے لیے کہا۔ انھوں نے مزید کہا کہ میں تو میکگل یونیورسٹی، مانٹریال (کینیڈا) میں انڈو۔ اسلامک ہسٹری پڑھاتی ہوں۔ اس منصوبے سے متعلقہ بنیادی مآخذ (Primary Sources) پنجاب میں موجود ہیں۔ ان کو تلاش کرنا ہے اور پھر ان کو بنیاد بنا کر اس تحقیقی عمل کو آگے بڑھانا ہے۔ میں نے اس حوالے سے معاونت کی ہامی بھر لی، چنانچہ ستمبر ۲۰۰۴ء سے اس حوالے سے کام شروع کر دیا جو دسمبر ۲۰۱۳ء تک جاری رہا

بعد میں بھی ڈاکٹر صاحبہ سے غیر رسمی علمی رابطہ رہا۔ اس کی تفصیل بعد میں دی جائے گی۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحبہ کا تخصص عہد مغلیہ کی تاریخ ہے اور انھوں نے وہاں میکگل یونیورسٹی مانٹریال میں اردو کی تدریس کے متعلق کتابیں بھی لکھی ہیں (باشتراک دیگر)۔ انھوں نے اپنی تحقیق کا رخ علماء اور صوفیہ کی طرف کس طرح کیا۔ اس کی تفصیل انھوں نے خود لاہور میں ایک علمی اجلاس منعقدہ ۲۵۔فروری ۲۰۰۹ء میں بیان کی تھی۔ اس کا متعلقہ اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

> ۱۹۷۰۔۷۱ء میں ایران میں اسلامی انقلاب آیا۔ میں امام خمینی کی تحریک سے بہت متاثر ہوئی کہ علماء نے کتنا بڑا انقلاب برپا کیا۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ ہمارے برصغیر میں بھی تو بڑے بڑے علماء گزرے ہیں۔ چنانچہ میں نے ان پر تحقیق کرنے کا سوچا۔ اس طرح میں علماء اور صوفیہ کی خدمات کی طرف مائل ہوئی اور میں نے کام شروع کر دیا۔ چنانچہ میں نے دس مقالات لکھے جو شائع ہو گئے۔ ان میں چار نقشبندی مشائخ اور کچھ مسلم تھاٹ (Muslim Thought) (مسلمانوں کا انداز حکمرانی) پر ہیں۔ اب یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، کراچی سے شائع ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ اپریل یا مئی (۲۰۰۹ء) میں شائع ہو جائے گی۔ (۱)

اسی علمی اجلاس میں پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب نے ڈاکٹر صاحبہ سے پوچھا کہ اب آپ کس موضوع پر تحقیق کر رہی ہیں؟ اس سوال کا جواب ذیل میں نقل کیا

جاتا ہے:۔

> انھوں نے بتایا کہ میں نے ایک کتاب Sufi Martyrs of love[2] پر تبصرہ لکھا۔ اس میں مصنفین نے لکھا کہ پنجاب کے بارے میں ہمیں بنیادی مآخذ دستیاب نہ ہو سکے۔ اس لیے ہم پنجاب کا پوری طرح احاطہ (Cover) نہ کر سکے۔ نیز پنجاب کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں، انیسویں صدی (عیسوی) میں یہاں تعلیم عام نہ تھی۔ چنانچہ مجھے سوچ آئی کہ اس موضوع پر پنجاب کے حوالے سے تحقیق کرنی چاہیے۔ چنانچہ اس موضوع پر کام کرنے کے لیے میں نے ارادہ کر لیا۔ مواد کی تلاش شروع ہوئی۔ میری خوش قسمتی کہ ۲۰۰۴ء میں مجھے رضوی صاحب (راقم السطور) مل گئے۔ چنانچہ جب ہم نے بنیادی مآخذ کی تلاش کی، تو ہمیں بہت سے خزانے مل گئے۔ اس وقت خواجہ نور محمد مہارویؒ اور ان کے چار بڑے خلفاء حضرت نور محمد نارووالہؒ، حافظ محمد جمال ملتانیؒ، قاضی محمد عاقلؒ اور حضرت محمد سلیمان تونسویؒ پر کام جاری ہے۔ (۳)

شروع میں میری معاونت کا یہ طریق کار طے کیا گیا کہ میں ہر چھ ہفتے کے بعد کیے گئے کام کی رپورٹ ڈاکٹر صاحبہ کو بذریعہ ڈاک بھیجا کروں گا۔ اس پر نو سال اور چار ماہ (از ستمبر ۲۰۰۴ء تا دسمبر ۲۰۱۳ء) تک عمل ہوتا رہا۔ تحقیق کا یہ کام ڈاکٹر صاحبہ کے مشورے اور راہنمائی میں ہوتا رہا۔ محترمہ کے استفسارات ای۔میلز (e.mails) کے

ذریعے بھی آتے رہے۔ ان کے جوابات اسی ذریعے سے بھجواتا رہا۔ کام کی رفتار بہت تیز تھی۔ میں اصل رپورٹ ڈاکٹر صاحبہ کو بھیج دیتا اور ان کے مشورے کے مطابق اس رپورٹ کی عکسی نقل (فوٹو کاپی) خود رکھ لیتا۔ اس طرح اس دوران ہزاروں صفحات پر مشتمل تحقیقی رپورٹس (Reports) کی ضخامت ہوگئی۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحبہ سے خط وکتابت کی فائلیں بھی محفوظ کرتا رہا۔ یہ تعداد میں سات سے زیادہ ہیں۔ پہلی سات فائلیں بہت ضخیم ہیں۔ ان کے صفحات بھی ہزاروں کی تعداد میں ہوں گے۔

یہاں پر یہ بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم نے بنیادی مآخذ کی تلاش شروع کی تو ذخیرۂ کتب حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ میں کافی منابع مل گئے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں یہ ذخیرہ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ لائبریری کے اپنے ذخیرۂ کتب و مخطوطات میں بھی گراں قدر مآخذ مل گئے۔ جنوبی پنجاب میں پیر محمد اجمل چشتی فاروقی صاحب نے چشتیاں شریف میں سلسلہ چشتیہ کے بارے میں مطبوعات ومخطوطات جمع کیے ہوئے ہیں۔ یہ ان کی ذاتی لائبریری ہے۔ ان پر مہریں لگی ہوئی ہیں۔ مہر کا عنوان ہے: ''کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ چشتیاں شریف، ضلع بہاولنگر، ملکیہ محمد اجمل چشتی فاروقی''۔ راقم السطور مارچ ۲۰۰۵ء میں ان کے ہاں گیا۔ قریباً پانچ روز وہاں ٹھہرا۔ پیر صاحب نے ازراہ کرم مطلوبہ مطبوعات ومخطوطات کی فوٹو کاپیاں کروانے کی اجازت دے دی۔ یوں قریباً چار ہزار صفحات کی عکسی نقول حاصل کی گئیں۔ لاہور واپس آکر ان عکسی نقول کی جلد بندی کروائی گئی۔ ان سب کی ایک ایک کاپی ڈاکٹر صاحبہ کے حوالے بھی کی گئی۔ پھر ہم دسمبر ۲۰۰۶ء میں جنوبی پنجاب میں گئے۔ ڈاکٹر ساجدہ صاحبہ، ان کے شوہر ڈاکٹر صابر علوی صاحب اور راقم السطور نے یہ پانچ روزہ سفر کیا۔ اس دوران

ہمیں بعض مخطوطات کی عکسی نقول بھی حاصل ہوئیں۔ گویا سفر وسیلۂ ظفر ثابت ہوا۔ پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب کی ذاتی لائبریری سے بھی ''ذکر الاصفیاء فی تکملہ سیر الاولیاء''(۴) از گل محمد احمد پوری کی فوٹو کاپی بھی حاصل کی گئی۔ ان سب حضرات کا یہ علمی تعاون قابلِ ستائش ہے۔

تحقیق کا طریقِ کار یہ طے کیا گیا کہ بنیادی مآخذ کا موضوعاتی تجزیہ (Topical Analysis) کیا جائے۔ پھر ان موضوعات کی تالیف (Synthesis) کا کام کیا جائے۔ اس کے بعد نتائج اخذ کیے جائیں۔ دوسرے الفاظ میں ڈاکٹر صاحبہ کی رائے یہ تھی کہ طریقِ تحقیق میں تجزیاتی انداز اپنایا جائے نہ کہ بیانیہ (Descriptive) اسلوبِ بیان۔ اس طرح جدید اصولِ تحقیق کو اختیار کر کے نئے انداز سے تحقیقی منصوبے کو مکمل کیا جائے۔ یہ بہت دقیق اور وقت طلب کام تھا۔ اس کا پھیلاؤ اتنا زیادہ ہوگیا کہ بعد میں بوجوہ اس کو مکمل کرنا مشکل ہوگیا۔ اس میں ڈاکٹر صاحبہ کی صحت کے مسائل آڑے آگئے۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں شائع ہونا تھی۔ بعد میں اس کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا پروگرام تھا۔

ڈاکٹر صاحبہ ۳۱۔ مئی ۲۰۱۰ء کو میکگل یونیورسٹی، مانٹریال (کینیڈا) سے ریٹائر ہوگئیں۔ اب اس یونیورسٹی سے ان کا تعلق پروفیسر امیریطس کا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد زندگی کی مصروفیات بدل جاتی ہیں۔ اندازِ حیات کے معمولات بھی تبدیل ہوجاتے ہیں۔ وہ علمی فضا جو تدریس کے دوران ہوتی ہے، اس کی ذہنی سطح بھی پہلی جیسی نہیں رہتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زیرِ حوالہ تحقیقی منصوبے میں پیشرفت کی رفتار بھی متاثر ہوئی۔ اب تک ان کے صرف دو تحقیقی مقالے انگریزی زبان میں شائع ہوئے ہیں۔ ایک برلن

میں ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔ (۵) دوسرا اٹلی میں شائع ہوا۔ (۶) محترمہ نے تیسرے مقالے پر کام جاری رکھا۔ یہ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے متعلق تھا جو مکمل نہ ہو سکا۔ اگرچہ دسمبر ۲۰۱۳ء میں اس تحقیقی منصوبے کے متعلق میری رسمی ذمہ داری ختم ہو گئی تھی، تاہم ڈاکٹر صاحبہ سے گاہے گاہے علمی رابطہ رہتا تھا۔ تین سال کے تعطل کے بعد محترمہ نے یہ تجویز دی کہ ہزاروں صفحات پر مشتمل رپورٹس (Reports) کو دوبارہ دیکھ لیا جائے اور اردو میں ایک ایسی کتاب تیار کی جائے جو اردو کے قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث بنے۔ اس کی ضخامت تین سو یا ساڑھے تین سو صفحات ہو سکتی ہے۔ پھر اس میں مزید تبدیلی کی گئی اور ڈاکٹر صاحبہ کی طرف سے یہ تجویز آئی کہ ان کے دو مطبوعہ مقالات کا اردو ترجمہ کر دیا جائے۔ ان میں جہاں ضروری ہو، ترمیم و اضافہ بھی کر دیا جائے۔ ترجمہ کرتے وقت اس کو اردو زبان اور اس کے قارئین کے مزاج کے مطابق ڈھال دیا جائے۔ میں نے اس کام کو شروع کر دیا۔ الحمدللہ دونوں مقالات کا اردو ترجمہ کر دیا گیا اور ضروری اسلوب بیان کو اختیار کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحبہ ۲۵۔ فروری ۲۰۱۷ء کو لاہور تشریف لائیں۔ ڈاکٹر صابر علوی صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان سے میری دو ملاقاتیں ہوئیں۔ میں نے ان کو اردو ترجمے کا اصل مسودہ دکھایا۔ ایک مضمون ٹائپ ہو چکا تھا۔ وہ بھی دکھایا۔ ڈاکٹر صاحبہ نے کہا کہ عنوانی صفحہ پر آپ کا نام شریک مصنف (Joint author) کی حیثیت سے آنا چاہیے۔ اپنے نام کے ساتھ معاون اور مترجم کے الفاظ حذف کر دیں۔ نیز کہا کہ یہ ہم دونوں کی مشترکہ تصنیف ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے اصرار پر میں نے اپنے نام کے ساتھ یہ الفاظ حذف کر دیے ہیں۔ یہ اس منصوبے کا پہلا حصہ ہے۔ ان شاء اللہ اس کا دوسرا حصہ بھی شائع ہوگا۔ مزید پہلوؤں پر مقالات کی صورت میں کام کر رہا ہوں۔

مزید ایک مقالہ لکھا جا چکا ہے۔ دوسرے کا خاکہ تیار کر لیا ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کے مشورے اور اجازت سے یہ کام ہو رہا ہے۔

اس حصہ اول کی اشاعت کا مرحلہ درپیش تھا۔ حسنِ اتفاق سے ایک روز میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی ضیائی میری رہائش گاہ پر تشریف لائے۔ ان کو میں نے زیرِ حوالہ مسودے کی فائل دکھائی اور شائع کرنے کی بات کی۔ میاں صاحب نے فوراً کہا کہ اس کو ہم شائع کریں گے۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اس منصوبے پر کام جاری ہے۔ ان شاء اللہ دوسرا حصہ بھی تیار ہو جائے گا۔ میاں صاحب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کے اسباب بھی پیدا کرے گا۔ ممکن ہے اس کو بھی ہم دارالفیض گنج بخش کی طرف سے شائع کریں۔ میاں صاحب نے بتایا کہ حکیم محمد موسیٰ امرتسریؒ (م ۱۷۔ نومبر ۱۹۹۹ء) کے آئندہ عرس مبارک پر پہلا حصہ شائع ہوگا۔

آخر میں اظہار تشکر کرنے کا موقع ہے۔ ہم دونوں (ڈاکٹر صاحبہ اور راقم السطور) پیر محمد اجمل چشتی فاروقی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنی لائبریری میں محفوظ مخطوطات و مطبوعات کی عکسی نقول حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ ہر ممکن سہولت بھی فراہم کی۔ پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب کے بھی سپاس گزار ہیں کہ انھوں نے نہ صرف ایک اہم ماخذ کی عکسی نقل حاصل کرنے کی اجازت دی بلکہ مختلف مواقع پر علمی استفسارات کے جوابات فراہم کرنے میں بھی مدد کی۔ پروفیسر عبدالعزیز ساحر صاحب کے بھی ممنون ہیں کہ انھوں نے سلسلہ چشتیہ کے حوالے سے اپنی تصانیف بھجوائیں جن سے ہم نے استفادہ کیا۔ ساجد محمود صاحب نے بہت محبت اور محنت کے ساتھ اس کتاب کے مسودے کو ٹائپ کیا۔ ان کا کام بھی

قابل ستائش ہے۔

میاں زبیر احمد علوی گنج بخشی قادری ضیائی کے بھی ممنون احسان ہیں کہ انھوں نے اس کتاب کو شائع کرنے کی نہ صرف ذمہ داری لی، بلکہ کام کی رفتار کار کے بارے میں بھی فون پر پوچھتے رہے۔ میاں صاحب کے اس طرز عمل سے بہت حوصلہ افزائی ہوئی۔ ناظم اشاعت میاں محمد ریاض ہمایوں سعیدی صاحب اور میاں محمد طیب قادری (سیکرٹری جنرل) کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ان شخصیات نے مطالب موسوی کی روایات کو زندہ رکھا ہے۔ دارالفیض گنج بخش کے دیگر رفقاء کے بھی سپاس گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا کرے اوران مشائخ چشت کے وسیلے سے ان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، نیز ان کی توفیقات میں مزید اضافہ کرے تا کہ یہ سب علمی خدمات بجالاتے رہیں۔ اللھم زد فزد

آخر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے الفاظ کا دامن ہمیشہ تنگ ہوتا ہے۔ یہی کہا جاسکتا ہے۔ الحمدللہ علی احسانہ

از دست و زبان کہ بر آید
کز عہدۂ شکرش بدر آید

حواشی

۱۔ محمد عالم مختار حق (مرتب)، ہفت مجالس علمیہ (باہتمام حوزۂ نقشبندیہ، لاہور)، لاہور: حوزۂ نقشبندیہ، ۲۰۰۹ء)، ص۔ ۴۸۔۴۹؛ سید جمیل احمد رضوی، فخر المشائخ صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددیؒ (یادداشتوں کے آئینے میں) (لاہور: چوہدری

محمد حنیف، ۲۰۱۴ء)، ص۔ ۱۶۴۔

ڈاکٹر صاحبہ کی یہ کتاب ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی۔ اس کی کتابیاتی تفصیل درج ذیل ہے:۔

Sajida Sultana Alvi, *Perspectives on Mughal India, Rulers, Historians, Ulama and Sufis.* Karachi: Oxford: University Press, 2012.

۲۔ اس کی کتابیاتی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:۔

Ernst, Carl W. & Lawrence Bruce B. *Sufi Martyrs of Love, The Chishti Order in South Asia And Beyond.* New York: Palgrave Macmillan, 2002.

۳۔ محمد عالم مختار حق (مرتب)، محولہ بالا، ص۔ ۴۹۔۵۰؛ سید جمیل احمد رضوی، محولہ بالا، ص۔ ۱۶۵۔

۴۔ اس کی مکمل کتابیاتی تفصیل درج ذیل ہے:۔

گل محمد احمد پوری۔ ذکر الاصفیائی تکملہ سیر الاولیاء۔ دہلی: مطبع رضوی، ۱۳۱۲ھ۔

۵۔ اس مقالے کی تفصیل یہ ہے:۔

"Renewal of Chishti Order in the Eighteenth Century Punjab. Converging Paths of Two Sufi Masters: Maulana Fakhr al-Din Aurangabadi and Nur Muhammad Maharavi", *in Muslim Cultures in the Indo-Iranian World during the Early Modern and Modern Periods*, eds. Denis

Hermann and Fabrizio (Berlin: Klaus Schwarz Verlag, 2010), 217-246.

۲۔ ڈاکٹر صاحبہ نے دوسرا مقالہ ۳۔ نومبر ۲۰۱۲ء کو انٹی ارسال کر دیا تا کہ شائع ہو جائے۔ اس کی اطلاع انھوں نے مجھے بذریعہ ای۔میل ۱۴۔ نومبر ۲۰۱۲ء کو دی۔ ڈاکٹر صاحبہ نے بتایا کہ یہ مقالہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس کا عنوان درج ذیل ہے:۔

"Chishti Sufis and Culture of Books in later Mughal India: The Punjab-Deccan Connection".

۱۵۔ رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ
بمطابق ۱۱۔ جون ۲۰۱۷ء

سید جمیل احمد رضوی
سابق چیف لائبریرین،
پنجاب یونیورسٹی لائبریری،
لاہور۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے پنجاب میں چشتی سلسلہ کی تجدید وارتقاء
دو مشائخ کے ملنے کے راستے: مولانا فخر الدین اورنگ آبادیؒ اور نور محمد مہارویؒ

تعارف:

''حضرت مولانا کے پورے مظہر اور ان کی مراد کے مرید، اللہ اور جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقبول و محبوب، زمانے کے مرشد، قوموں کے ہادی، حضرت رسالت پناہ کی جانب سے مخلوق کی تربیت کے لیے متعین، حق میں مشغول، علائق سے فارغ ہمارے مخدوم، مولانا خواجہ نور محمد مدظلہ العالی''[۱]۔

حضرت نور محمد مہارویؒ کے بارے میں یہ وہ الفاظ ہیں جو ان کے ایک خلیفہ غازی الدین خان نظام نے لکھے۔ یہ مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی (عہد حکومت: ۱۱۷۲ھ۔۱۲۲۰ھ/ ۱۷۵۹ء۔۱۸۰۶ء) کے وزیر رہے۔ یہ نظام الملک آصف جاہ کے پوتے تھے۔ نظام الملک آصف جاہ نے حیدر آباد (دکن) میں نظام خاندان کی حکمرانی کی بنیاد رکھی[۲]۔ نور محمد مہارویؒ کون تھے؟ ان کے نام سے جنوبی ایشیا کی اسلامی تاریخ کے ماہرین واقف نہیں ہیں، کیوں کہ وہ ان بہت سے صوفیہ میں شامل ہیں بشمول عہد مغلیہ کے آخری دور کے نامور دانشوروں اور علماء میں شمار ہوتے ہیں، ان کو گمنامی میں چھوڑ دیا گیا یہاں تک کہ دائرۃ المعارف قسم کی کتابوں میں بھی ان کا نام نہیں ملتا[۳]۔ نور محمد

مہارویؒ (م:۱۱۴۲ھ/۱۷۹۰ء) جن کو قبلۂ عالم بھی کہا جاتا ہے، کے معاصرین نے ان کو نامور اور نہایت معروف شیخ (مرشد) مولانا فخر الدین اورنگ آبادیؒ کے اعلیٰ ترین خلیفہ کی حیثیت سے دیکھا۔ فخر الدینؒ کا انتقال ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء میں دہلی میں ہوا اور ان کو قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ جہاں انھوں نے ۳۴ سال پہلے نور محمدؒ کو خلعتِ بیعت سے سرفراز کیا تھا۔ حضرت نور محمدؒ کا انتقال مہار (پنجاب) میں ۱۲۰۵ھ/ ۱۷۹۰ء میں ہوا اور ان کو فرید الدین گنج شکرؒ کے پوتے تاج الدین سرورؒ کے مقبرہ کے قریب دفن کیا گیا۔ یہ مقبرہ بستی تاج سرور میں ہے اور مہار کے نزدیک ہے [۴]۔ نور محمدؒ کی خواجہ فخر الدینؒ سے اتفاقیہ ملاقات درحقیقت دو ذہنوں اور روحوں کی ملاقات تھی جس نے حضرت نور محمدؒ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ ان کو یہ اعزاز دیا جاتا ہے کہ انھوں نے دیہاتی پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کی نشاۃ ثانیہ کا پانچ سو سال بعد آغاز کیا۔ یہ وہ دور تھا جب یہ فرض کیا جاتا ہے کہ فرید الدین گنج شکرؒ (بابا فریدؒ) کے سنہری دور کے بعد اس تحریک کا انحطاط شروع ہو گیا تھا (گویا اس سنہری دور کا آغاز پھر حضرت نور محمد مہارویؒ نے کیا)۔

یہ مضمون ہماری اس کتاب کا آغاز ہے جس میں حضرت نور محمدؒ اور ان کے چار خلفاء کے متعلق تحقیق کی جائے گی (ان خلفاء کا تعارف بعد میں کروایا جائے گا)۔ یہ وہ خلفاء ہیں جنہوں نے حضرت مہارویؒ کے پیغام کو آگے پہنچایا اور انھوں نے پنجاب کے دیہاتی معاشرے میں سماجی، مذہبی و روحانی، اور علمی شعبوں کو حیاتِ نو دی، یہاں تک کہ اس علاقے پر ۱۸۴۹ء میں برطانوی قبضہ ہو گیا۔ اس مدت (۱۱۴۲ھ-

۱۲۶۵ھ/ ۱۷۳۰ء-۱۸۴۹ء) کے دوران جنوب مغربی پنجاب...... اپنے جغرافیائی محل وقوع اور مغلوں کا شاہی انتظامی لڑکھڑاتے ہوئے ڈھانچے کی وجہ سے...... متحارب گروہوں کی سرگرمی کا مرکز بن گیا۔ مقامی موروثی زمیندار سر اٹھا رہے تھے، سکھوں کی بغاوت، نادر شاہ افشار کی زیر قیادت ایرانیوں کا حملہ جس نے دہلی میں ۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۹ء میں غارت گری کی، اس کے بعد افغانی لیڈر احمد شاہ درانی نے ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۷ء اور سکھ راج کے تحت مغلیہ انتظامیہ کا بکھر اور ٹوٹ جانا۔ متعدد قبائلی گروہوں کی باہمی لڑائی جو طاقت اور وسائل پر قبضہ کرنے کی سخت کوشش میں تھے [۵]۔ (یہ اس وقت اس علاقے کے سیاسی حالات تھے)۔

خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمد مہارویؒ دو مختلف دنیاؤں (علاقوں) سے آئے تھے۔ اول الذکر شہری اور رسم و آداب کے پابند علاقہ دہلی سے، اور مؤخر الذکر دیہاتی، زیادہ غیر رسمی، تغیر پذیر اور پنجاب کے قریبی زرعی علاقہ سے۔ وہ سماجی آداب، اندازِ حیات، خاندانی پس منظر، اور تعلیمی تجربات کے اعتبار سے دور دراز علاقے کے دو ستون تھے...... مذکورہ صفات عقلی ساخت اور دنیا کے بارے میں آراء کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ سطحی طور پر یہ تقسیم مخالفانہ موقف (ماڈل) کے ساتھ مستقل معلوم ہوتی ہے...... ''عظیم روایت'' اور ''معمولی روایت''، پڑھا لکھا ان پڑھ، عوامی/ ''روایتی'' اور ''متنی اسلام'' بمقابلہ ان پڑھ دیہاتی مسلمان جن کو بالعموم ''ضعیف الاعتقاد اور توہم پرست'' سمجھا جاتا ہے۔

اس مضمون کا مقصد اس ماڈل کی توثیق کرنا یا جائز سمجھنا نہیں ہے بلکہ خواجہ

فخر الدینؒ اور حضرت نور محمدؒ کے متبادل زندگی کے حالات ان کے پس منظر کے اختلافات کو نمایاں اور ان کے اور ان کے اپنے اپنے علاقوں کے متفقہ مشترکات کو ظاہر کرنا ہے، لہذا یہ مضمون مستشرقین اور قدامت پسندوں کے اسلام کے ماڈل کو چیلنج کرتا ہے جو اکثر لٹریچر میں بار بار بیان کیا جاتا ہے۔ ارنسٹ (Ernst) اور لارنس (Lawrence) نے اپنی متعدد تحریروں میں غیر جانبداری سے ان غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں پر بحث کی ہے اور اسلامی تہذیب میں تصوف کے سلسلوں اور ان کے مقامات کو بھی زیر بحث لائے ہیں[۶]۔ وہ شہری دیہاتی تقسیم کے ساتھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے جو ماہرین بشریات افریقہ، مشرق وسطیٰ اور انڈونیشیا کے بارے میں خصوصیت کے ساتھ رکھتے ہیں۔

...... ماہرین بشریات کے نزدیک اسلام کی کوئی قسم بھی دعویٰ نہیں کرتی کہ وہ ایک کے مقابلے میں دوسری کو "زیادہ حقیقی" سمجھا جائے۔ وہ ہیں جو انھوں نے مختلف طریقوں اور مختلف حالات میں صورت اختیار کی ہے۔ درحقیقت دیہاتی علاقے کے مذہب کو ہی صرف مجرد اور متقابل فہم میں سمجھا جاتا ہے[۷]۔

ہماری تحقیق بشریاتی نوعیت کی نہیں ہے، بلکہ یہ دیہاتی پنجاب میں چشتی صوفیہ کو زیر بحث لاتی ہے اور دلیل پیش کرتی ہے کہ سلسلۂ چشتیہ کی دیہاتی شہری تقسیم اتنی وسیع نہیں ہے جتنی مستشرقین اور دوسرے ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ موجودہ تحقیق ان دو صوفی مشائخ کے سوانحی حالات بیان کرتی ہے سماجی بشریاتی حیثیت سے نہیں بلکہ تاریخی ایسے اوراق جن کی بنیاد ان کے عوامی کچہری کے ملفوظات پر ہے جن کو ان کے مریدوں اور خلفاء کی پہلی اور دوسری پشت (Generation) نے لکھا بشمول ان کے

معاصرین اور قریبی معاصرین کے ریکارڈ پر ہے۔ ان میں وہ مفید معلومات بھی شامل ہیں جو ان کے نسب، خاندان اور ابتدائی تعلیم سے متعلق ہیں۔ ہماری نگاہ کا مرکز حضرت نور محمدؒ کی تعلیم اور روحانی تربیت پر ہے جو خواجہ فخر الدینؒ کی زیرنگرانی ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پنجاب میں ایک بڑے صوفی شیخ کی صورت میں سامنے آئے۔ زیرنظر بیانیہ یہ بھی بتاتا ہے کہ خود پنجاب ایسا علاقہ تھا کہ جس نے چشتی سلسلہ کے عروج سے پہلے بھی عقلی اور ذہنی سرگرمیوں کی پرورش کی تھی۔ یہ ایسی سرزمین تھی جس نے روحانی سرگرمیوں کو پروان چڑھایا تھا۔ یہ بالعموم حضرت نور محمدؒ کے واسطے سے ہوا کہ اورنگ آباد اور دہلی کی عقلی، مابعدالطبیعیاتی اور روحانی روایات عمل ورد عمل کے نتیجے میں منتقل ہوئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے موجودہ نادر مقامی روایات کا بھی احیا کیا۔

خواجہ فخر الدینؒ کا خاندانی پسِ منظر:

یہاں پر بنیادی مقصد یہ نہیں ہے کہ خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمد مہارویؒ کی سماجی و معاشرتی سوانح کو بیان کیا جائے۔ تاہم پھر بھی ان کی سوانحی تفصیل کو شامل کیا جا رہا ہے تاکہ متعدد اثر انداز ہونے والے مسائل کو نمایاں کیا جا سکے۔ ان مسائل میں شامل ہیں: تعلیمی باہمی روابط (نیٹ ورک Network) کو دیکھا جائے جن سے خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمدؒ نے استفادہ کیا۔ خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمدؒ کے تعلقات کو بیان کیا جائے، نیز مرشد۔ مرید کے تعلقات کو دیکھا جائے جو حضرت نور محمدؒ نے اپنے خلفاء کے لیے استوار کیے اور امتیازی قسم کے علم کو معلوم کیا جائے...... قیاسی اور عملی علوم (علوم ظاہری)، اور روحانی ارتقاء کے لیے نظریہ اور عمل (علوم باطنی)۔ جن

میں ان دو شخصیات نے مہارت حاصل کی اور ان کی تدریس بھی کی۔ ان مسائل میں سے ہر ایک اس مخالفانہ ماڈل کو چیلنج کرتا ہے جس کی مستشرقین حمایت کرتے ہیں۔ حضرت نور محمدؒ کی اساتذہ کے نیٹ ورک تک رسائی، بشمول خواجہ فخر الدین، تعلیمی ڈھانچے کی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے جو بطرز احسن دیہاتی علاقوں تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ ڈھانچہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ اس وقت پورے جنوب مغربی پنجاب میں کارفرما تھا..... نہ خشک ہوا تھا اور نہ ہی غیر موجود تھا۔ یہ تعلیمی نیٹ ورک جو دیہاتی مقامات اور شہری مراکز کو جوڑتا تھا۔ اس نے اورنگ آباد اور دہلی کی روحانی روایات کو پنجاب میں پہنچانے کا انتظام کیا۔

خواجہ فخر الدینؒ کے آباؤ اجداد نے غور (افغانستان، نزد قندھار)(۸) سے کاکوری (نزد لکھنؤ) تک ہجرت کی جہاں ان کے والد ماجد ۱۰۶۰ھ/ ۱۶۵۰ء کے قریب پیدا ہوئے(۹)۔ نظام الملکؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی قصبے میں حاصل کی اور علوم ظاہری کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی میں شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ (۱۰۶۰ھ-۱۱۴۲ھ/ ۱۶۵۰ء-۱۷۲۹ء) کے پاس آئے۔ شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کا خاندان ریاضی، فن تعمیر اور انجینئرنگ میں مہارت رکھتا تھا۔ شاہ کلیم اللہؒ نے خود فلسفہ، مابعد الطبیعیات، علم نجوم اور طب میں محنت کے ساتھ تربیت حاصل کی، یہ علوم ظاہری کی تعلیم کا حصہ تھے تاکہ وہ مغل انتظامیہ میں خاص منصب/ مقام حاصل کر سکیں(۱۰)۔ انھوں نے حضرت نظام الدینؒ کو علوم ظاہری میں تربیت دی۔ انھوں نے اس تربیت میں یہ اہتمام بھی کیا کہ ان بنیادی متون کو اہمیت دی جائے جن کا تعلق علوم باطنی کے ساتھ ہے(۱۱)۔ بعد میں

شاہ کلیم اللہؒ نے ان کو چشتی سلسلہ میں خلعتِ بیعت سے سرفراز کیا۔ چشتی صوفیہ کی روایت کے مطابق کہ وہ اپنے بڑے بڑے خلفاء کو زیرِ اثر علاقہ سونپ دیتے ہیں، شاہ کلیم اللہؒ نے دکن کا علاقہ نظام الدینؒ کو سپرد کر دیا(۱۲)۔ حضرت نظام الدین مغلیہ فوج کے ساتھ ۱۰۹۴ھ/ ۱۶۸۳ء میں دکن کی جانب گئے(۱۳)۔ انھوں نے اورنگ آباد میں سکونت اختیار کی اور وہاں خانقاہ قائم کی(۱۴)۔ ان کو اٹھارویں صدی عیسوی میں دکن میں چشتی طریقہ/ سلسلہ کے احیا کا اعزاز دیا جاتا ہے اور عوام اور مغلیہ حکمران اشرافیہ کی بہت بڑی تعداد ان کی پیروکار ہو گئی۔ ان کے پیروکاروں میں سب سے زیادہ نمایاں نظام الملک آصف جاہ تھے جو حیدرآباد کے پہلے نظام تھے(۱۵)۔

ان کا قرب اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نظام الدینؒ کی شادی نظام الملک کی بیگم کی بہن سید بیگم سے ہوئی۔ ان کا پہلا بچہ اورنگ آباد میں ۱۱۲۶ھ/ ۱۷۱۴ء میں پیدا ہوا۔ شاہ کلیم اللہؒ نے اس کا نام فخر الدین رکھا اور لقب 'مولانا' دیا۔

حضرت نور محمدؒ اور ان کی دیہاتی اساس:

حضرت نور محمدؒ کی داستان حیات ہمیں ایک بالکل مختلف علاقے میں لے جاتی ہے..... جنوب مغربی پنجاب جہاں ان کی خاندانی اور قبائلی میراث کی جڑیں اس سرزمین میں بہت مضبوط تھیں۔ ان کی پیدائش چوٹالہ کے مقام پر بروز جمعرات بتاریخ ۱۴ رمضان المبارک ۱۱۴۲ھ/ ۲۔ اپریل ۱۷۳۰ء) کو ہوئی جو دیہاتی پنجاب میں ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ ان کا خاندان علم یا سیاسی اثر کی وجہ سے جانا نہیں جاتا تھا، ان کے والد ہندال کھرل قوم سے تھے جو راجپوت پنوار قبیلے کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ

زراعت کا کام کرتے تھے اور مویشی پالتے تھے۔ اس کو کم درجے کا پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ ان کی والدہ چھٹہ قوم سے تھی جو کہ دیہاتی پنجاب میں ایک جاٹ قبیلہ ہے(۱۶)۔ اس طرح نور محمدؒ کا تعلق دو قبائل سے تھا جو نسبتاً نئے نئے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ نور محمدؒ کے بڑے پوتے (چوتھی پشت میں) امام بخش مہاروی (وفات: ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء) نے بیان کیا کہ ان کے آباء و اجداد نے ۲۶ پشتوں پہلے اسلام قبول کیا(۱۷)۔ یہ نام: ہندال اور ہیبل ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کا عمل اس درجے تک نہیں پہنچا تھا کہ اسلامی نام رکھے جائیں۔ خواجہ فخر الدینؒ نے ہیبل کا نام نور محمد اکیس برس کی عمر میں رکھا جب انھوں نے دہلی میں چشتی سلسلہ میں ان سے بیعت کی(۱۸)۔ ان کو نور محمد مہارویؒ کہا جاتا ہے کیوں کہ مہار کے چھوٹے قصبہ میں بڑھے ہوئے(۱۹)۔ ایک روایت کے مطابق سیلانی درویش اور بزرگ جو چوٹالہ آتے تھے، انھوں نے ان کی حاملہ والدہ سے پیش گوئی کی تھی کہ وہ بچہ جو ان کے ہاں پیدا ہوگا وہ درلعل یغما (نادر ہیرا) قطب زمان اور مادرزاد ولی ہوگا(۲۰)۔

حضرت نور محمدؒ اور خواجہ قطب الدین کاکیؒ کے بچپن کے تجربات اور ابتدائی تعلیم میں بہت فرق یا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مولانا فخر الدینؒ کا پس منظر مراعات یافتہ اور سیاسی قوت والے طبقہ سے تھا اور انھوں نے اپنے والد ماجد سے علوم باطنی کی تعلیم اور تربیت بہت محنت و مشقت کے ساتھ حاصل کی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے علوم ظاہری کی تعلیم بھی حاصل کی تھی بشمول حربی فنون کی تعلیم دوسرے ممتاز اساتذہ سے۔ حضرت فخر الدینؒ سولہ سال کی عمر میں اپنے والد کے بڑے خلیفہ بن گئے اور

۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۹ء میں اپنے والد کی وفات کے بعد خانقاہ کے نگران بن گئے۔ خواجہ فخر الدینؒ نے چشتی صوفی کا چغہ پہننے کے بعد فوراً ہی فوج میں شمولیت اختیار کر لی اور اس طرح انھوں نے ایک صوفی اور سپاہی کا کردار اختیار کر لیا۔ یہ اس زمانے میں عام طریقہ تھا(۲۱)۔ خواجہ فخر الدین نے بارہ سال کے بعد اورنگ آباد کی خانقاہ کے امور اپنے چھوٹے بھائی کے سپرد کر دیے اور دہلی کی جانب چل دیے، وہاں وہ ۱۱۶۴ھ-۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۱ء-۱۷۵۲ء کے سالوں میں کسی وقت پہنچے(۲۲)۔

حضرت نور محمد مہارویؒ نے اپنا بچپن دیہاتی پنجاب میں ایک افلاس زدہ گھر میں گزارا۔ یہ اٹھارویں صدی عیسوی کا تیسرا عشرہ تھا جو سیاسی، سماجی اور اقتصادی لحاظ سے پرآشوب دور تھا۔ یہ خواجہ فخر الدینؒ کے ماحول سے بالکل مختلف تھا۔ حضرت نور محمدؒ کو چار سال چار ماہ کی عمر میں ایک مقامی غیر رسمی پرائمری سکول (مسجد مکتب) میں داخل کروا دیا گیا۔ انھوں نے وہاں قرآن مجید پڑھا اور حافظ محمد مسعود مہار کی زیرِ نگرانی قرآن مجید حفظ بھی کر لیا۔ وہ ایک نیک اور پڑھے لکھے انسان تھے۔ وہ اس سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے کہ وہ اپنے والد اور بڑے بھائیوں کے ساتھ زمین میں ہل چلائیں اور مویشیوں کو پالیں(۲۳)۔ اس کے برعکس، وہ اپنے علم حاصل کرنے کے شوق میں موضع بڈھیراں میں چلے گئے جو مہار سے دس یا بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا(۲۴)..... ان کا اگلا قدم ایک چھوٹے قصبے بلبانہ میں جانا تھا۔ یہ پاکپتن کے قریب واقع تھا۔ ایک شہر جو دریائے ستلج کے قریب واقع ہے جہاں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کا مقبرہ موجود ہے(۲۵)۔ وہ بلبانہ میں شیخ احمد کھوکھر سے پڑھتے رہے۔ جو کتابیں انھوں نے اپنے

اساتذہ سے پڑھیں، ان کی تفصیل معلوم نہیں ہے[۲۶]۔

حضرت نور محمدؒ نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے لیے بلبانہ سے بڑے شہر ڈیرہ غازی خان کی جانب سفر کیا جس کے مغرب میں دریائے سندھ ہے اور اس کے مشرق میں کوہ سلیمان کا سلسلہ ہے۔ وہاں کے مقامی مدرسہ میں حضرت نور محمدؒ نے شرح ملا جامی پڑھی جو عربی گرائمر کے لیے ایک معیاری کتاب ہے اور اس کے مصنف نقشبندی صوفی عبدالرحمٰن جامی (م: ۸۹۷ھ/۱۴۹۲ء) ہیں[۲۷]۔ یہاں ان کی ملاقات ایک عظیم صوفی محکم الدین سیلانی (یا سیرانی) سے ہوئی جو نقشبندی، اویسی اور قادری سلاسل میں بیعت تھے۔ یہ عمر میں مجھ سے کچھ بڑے تھے۔ یہ دونوں پڑھنے کے لیے اکٹھے لاہور کی جانب روانہ ہو گئے اور شہر کی گلیوں میں اپنے نان و نفقہ کے لیے بھیک مانگتے تھے[۲۸]۔ وہ کچھ مدت لاہور میں رہے پھر حضرت نور محمد پاکپتن کی جانب روانہ ہو گئے اور محکم الدین کسی اور جگہ چلے گئے[۲۹]۔

حضرت نور محمدؒ کی عارضی قیام گاہیں ...... گاؤں سے گاؤں، قصبہ سے قصبہ۔ بتاتی ہیں کہ سیاسی انتشار کے باوجود برطانوی راج سے پہلے جنوب مغربی پنجاب میں تعلیمی نظام اگرچہ بنیادی نوعیت کا تھا، تاہم ابھی تک محفوظ تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سفر کا یہ انداز ...... قصبے سے قصبے تک اور استاد سے استاد تک ...... استوار تھا جس کو مسلمان علماء کلاسیکی اور جدید ادوار سے پہلے اختیار کرتے تھے۔ اسی طرح کا انداز بیسویں صدی میں بھی مراکش میں قاضی کی داستان حیات میں دہرایا جاتا رہا ہے[۳۰]۔ اگر کوئی خود کو تعلیم سے آراستہ کرنا چاہتا تھا تو اس کے نزدیک ادارہ اہم نہیں تھا، بلکہ استاد

کی زیادہ اہمیت تھی اور کسی استاد کا مقام ہم مرتبہ لوگوں، معاشرہ اور کسی بڑے قبائلی گروہ کے اراکین کے نزدیک کسی ادارے کے ساتھ منسلک ہونا نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کی علمی فضیلت سے سمجھا جاتا تھا[۳۱]۔ یہ بات بھی غور کے قابل ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی کے پنجاب میں علم کا ابلاغ، بنیادی سطح پر بھی، کتابوں پر عبور حاصل کرنے پر مبنی تھا، ان کے حفظ کرنے پر نہیں تھا (بجز قرآنی متن) اور بطور مثال یہ مراکش میں بیسویں صدی عیسوی کے برعکس تھا[۳۲]۔

حضرت نور محمدؒ دہلی میں: علم کی تلاش میں:

حضرت نور محمدؒ کی خواجہ فخر الدینؒ سے دہلی میں ملاقات ان کی زندگی میں ایک امتیازی نشان ثابت ہوئی۔ مولانا صاحبؒ اس وقت دہلی میں ایک سپاہی، استاد اور بڑے صوفی شیخ تھے۔ حضرت نور محمد ۱۱۶۴ھ/ ۱۷۵۱ء کے شروع میں کسی وقت دہلی آئے۔ اس وقت وہ اکیس سال کے طالب علم تھے اور دہلی میں پہنچے۔ ان کے الفاظ میں: ''ابتداء میں مجھ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی زبردست خواہش موجود تھی۔ میں میاں محمد قائم کے ساتھ لاہور سے دہلی کے لیے روانہ ہوا۔ وہاں پہنچنے کے تھوڑے عرصہ بعد، میاں قائم مشرق [یعنی لکھنؤ] کی جانب چلے گئے اور میں میاں برخوردار جی کے ساتھ قیام پذیر ہو گیا۔ یہ دہلی کے رہائشی تھے اور مدرسہ میں رہتے تھے[۳۳]۔ [......] اور ان کے پاس قطبی[۳۴] پڑھتا تھا۔ میاں برخوردار جی مہربان اور مشفق استاد اور صاحب نسبت تھے''[۳۵]۔

میاں برخوردار ایک چشتی صوفی تھے جن کو پانچ روپے یومیہ روزینہ ملتا تھا

(۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء میں یہ قابل ذکر رقم تھی)۔ یہ نور محمدؒ کی امداد کرنے کے لیے بھی کافی تھی[۳۶]۔ تاہم یہ نظام اس وقت بگڑ گیا جب میاں برخوردار دہلی چھوڑ کر اپنے آبائی مقام کی طرف چلے گئے۔ اس طرح حضرت نور محمدؒ بہت پریشان ہو گئے۔ ان کے ایک ساتھی، حافظ محمد اصلح، نے تجویز دی کہ نور محمد (اس وقت تک ان کو بہبل کہتے تھے) کو مولوی فخر الدینؒ تک رسائی حاصل کرنی چاہیے۔ یہ ایک معروف استاد ہیں جو تھوڑا عرصہ پہلے دکن سے آئے ہیں اور ایک بڑی حویلی میں رہتے ہیں جو خانم بازار سے متصل ہے (لال قلعہ، دہلی کے قرب و جوار میں)[۳۷]۔ حضرت نور محمدؒ نے مولانا فخر الدینؒ سے اپنی پہلی اتفاقیہ ملاقات کو اس طرح بیان کیا۔

"جب حویلی شریف کے دروازہ پر پہنچا تو ایک دربان کو بیٹھا ہوا پایا۔ چونکہ وہ میرا ناواقف تھا، اس لیے پہلے اندر جانے کی ہمت نہ پڑی، لیکن جب بہت سے لوگوں کو اندر آتے جاتے دیکھا تو میں بھی اندر چلا گیا۔ حویلی کے اندرونی حصہ میں ایک اور دروازہ تھا، اس کے مقابل میں ایک دالان تھا، اس دالان پر تخت پوش بچھا ہوا تھا، اس پر سفید چاندنی (چادر) اور ایک بڑا تکیہ لگا ہوا تھا جس پر حضرت مولانا جلوہ آرا تھے۔ جب میں نے خود پر نظر ڈالی...... ایک لمبی سلوٹ والی قمیص پہنے ہوئے اور ایک چادر (اپنے سینے کے اردگرد لپٹی ہوئی تھی)، میرے سر پر لمبے پراگندہ بال تھے۔ اس ڈراؤنے منظر کا سوچ

کر میں مضطرب ہو گیا اور اللہ تعالی سے دعا کی کہ مجھے اس پیرزادہ سے پڑھنے کا موقع ملے۔ چونکہ میں دروازے کے سامنے کھڑا تھا، انھوں نے مجھے دیکھا اور آگے آنے کے لیے کہا۔

جب میں ان کے قریب آیا تو وہ تخت سے نیچے اتر آئے اور مجھے بہت عزت دی۔ وہ مجھ اس غریب سے ایسے بغل گیر ہوئے جیسے مدت سے بچھڑے ہوئے دوست بغل گیر ہوتے ہیں۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور تخت پر اپنے قریب بٹھا لیا۔ پھر انھوں نے میری رہائش گاہ کے متعلق استفسار کیا۔ میں نے ان کو بتایا کہ یہ پاکپتن کے قریب ہے۔ وہ پاکپتن کا لفظ سن کر بہت خوش و خرم ہوئے۔ انھوں نے مجھ سے دہلی آنے کی وجہ پوچھی۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ پڑھاتے ہیں اور اس امید پر یہاں آیا ہوں کہ آپ مجھے پڑھائیں گے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ پہلے کہاں پڑھتے رہے ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں میاں برخودار جی سے پڑھتا رہا ہوں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ان کا پڑھانا ایک عرصے سے موقوف/معطل ہے اور مجھے میاں برخودار جی سے پڑھائی جاری رکھنے کا کہا اور تکرار کے لیے

آنے کا کہا۔ میں نے کہا کہ ہمارے درمیان فاصلہ زیادہ ہے اور آنے جانے میں بہت سا وقت ضائع ہو جائے گا۔ وہ مسکرائے اور یہ شعر پڑھا:۔

ما برائے وصل کردن آمدیم
نہ برائے فصل کردن آمدیم

ترجمہ:

ہم ملانے کے لیے آئے ہیں، جدا کرنے کے لیے نہیں آئے۔

پھر انھوں نے فرمایا:

''ہاں تم مجھ سے پڑھ سکتے ہو''۔

اس طرح میری ان سے پڑھائی شروع ہوئی، سبحان اللہ، آپ کیا ہی بحرِ علم تھے[۳۷]۔

التحتانی کی کتاب تحریر القواعد (قطبی) جو وہ میاں برخوردار جی سے پڑھ رہے تھے، یہ پہلی کتاب تھی جو حضرت نور محمدؒ نے خواجہ فخر الدینؒ سے پڑھنا شروع کی۔ پوری کتاب پڑھنے سے پہلے خواجہ فخر الدینؒ نے اپنے سرگرم و مستعد طالب علم کو تجویز دی:

''علومِ ظاہری کے حصول میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ [قطبی کا جتنا متن تم نے پڑھ لیا ہے] یہ تمہاری ضروریات کے لیے کافی ہے۔ خود کو اس علم کے حصول میں مشغول ہو جاؤ جس کے تم اہل ہو''[۳۸]۔ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ روحانیت اور تصوف کا علم اور تربیت حاصل کریں۔ ذکر الاصفیاء میں گل محمد احمد پوری (حضرت نور

محمدؒ کے بڑے خلیفہ قاضی محمد عاقلؒ کے خلیفہ) نے لکھا کہ حضرت نور محمدؒ نے خواجہ فخر الدینؒ سے حدیث کی اجازت بھی لی[۴۰]۔ احمد پوری نے اس کا ذکر بھی کیا ہے کہ حضرت نور محمدؒ نے علم تفسیر کی عمدہ تربیت بھی حاصل کی تھی[۴۱]۔

اس وقت دہلی کے جوشِ حیات سے بھرپور اور تحریک دلانے والے ماحول نے حضرت نور محمدؒ کی علمی ترقی میں بہت اہم کردار کیا ہوگا۔ ان کے اردگرد ایسے علماء اور صوفیہ موجود تھے جیسے شاہ ولی اللہ (م: ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۲ء) اور ان کے بیٹے، مرزا مظہر جان جاناں (م: ۱۱۹۹ء/۱۷۸۱ء) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م: ۱۲۲۴ھ/۱۸۱۰ء) اور دہلی مکتب کے تین بڑے شاعر...... خواجہ میر درد (م: ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء)، میر سودا (م: ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) اور میر تقی میر (م: ۱۲۲۴ھ/۱۸۱۰ء)

روحانی راستے پر چلنا، حضرت نور محمدؒ کا بیعت ہونا:

ان کی پہلی ملاقات کے چند ماہ بعد خواجہ فخر الدین حضرت نور محمد...... دہلی میں آنے کے بعد ان کے پہلے مرید...... کو خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (م: ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء) کے مقبرہ مہرولی میں لے گئے جو گیارہ میل کے فاصلے پر تھا تاکہ حضرت کاکیؒ کے عرس میں شرکت کریں۔ یہ ایک بہت بڑے صوفی شیخ کا مقبرہ تھا جہاں خواجہ فخر الدینؒ نے حضرت نور محمد مہاروی کو خلعتِ بیعت سے نوازا[۴۲]۔ حضرت نور محمدؒ کی روحانی تربیت اور ارتقاء میں اگلا سنگ میل خواجہ فخر الدینؒ کے ساتھ ان کا طویل رابطہ تھا جب انھوں نے فرید الدین گنج شکرؒ کے مزار کی زیارت کے لیے سفر اختیار کیا۔ باباجیؒ خواجہ بختیار کاکیؒ کے بڑے خلیفہ تھے[۴۳]۔ حضرت نور محمدؒ نے اکتوبر ۱۷۵۱ء میں

دہلی سے پنجاب جانے کے لیے سفر کی تیاری کی، ان کے ساتھ ان کے مرشد، ایک خادم اور (کرایہ پر لیا ہوا) ایک گھوڑا۔ خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمدؒ نے زیارت کرنے کے لیے اس مضبوط قائم روایت پر عمل کیا جس پر شہنشاہ، امراء، مشائخ اور عام لوگ برصغیر ہندوستان، ایران اور ترکی میں عمل کرتے تھے یعنی وہ ائمہ اور مشائخ کے مزارات کی زیارت کے لیے طویل فاصلے پیدل طے کرتے تھے تاکہ ان کی پیدائش اور وصال کے سالانہ ایام مناسکیں (۴۴)۔ پاکپتن کی طرف جاتے ہوئے انھوں نے روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے ان مزارات اور مقبروں پر حاضری دی...... سونی پت میں امام ناصر الدینؒ پانی پت میں بوعلی شاہ قلندرؒ (م: ۷۲۳ھ/ ۱۳۲۳ء) اور شمس الدین ترک (م: ۷۱۴ھ/ ۱۳۱۵ء یا ۷۱۷ھ/ ۱۳۱۸ء)۔ لاہور میں انھوں نے محترم اللہ نقشبندیؒ (م: ۱۱۰۱ھ/ ۱۶۹۰ء) کے مزار کی زیارت کی۔ اس مشکل سفر کے دوران ان کے پاؤں پر آبلے پڑ گئے تھے، لیکن وہ کرایے پر لیے گئے گھوڑے پر سوار نہ ہوئے، لیکن انھوں نے اس گھوڑے کو تھکے ماندے ساتھی مسافروں کے آرام کے لیے استعمال کیا (۴۵)۔

[وہ یکم محرم ۱۱۶۴ھ/ ۳۰۔ نومبر ۱۷۵۰ء کو صبح کے وقت پا برہنہ (ننگے پاؤں) پاکپتن پہنچے۔ وہ دو ماہ اور گیارہ روز وہاں ٹھہرے اور دہلی کے لیے ۱۳۔ صفر ۱۱۶۴ھ/ یکم جنوری ۱۷۵۱ء کو روانہ ہوئے (۴۶)۔]

ان کے اسفار اور تجربات کو سوانح نگاروں نے تفصیل سے لکھا ہے (۴۷)۔ انھوں نے خواجہ فخر الدینؒ کی خفیہ اور ذاتی بیاض کی جانب توجہ دی ہے جس میں خواجہ

صاحبؒ نے پاکپتن میں اپنی بہت سی روحانی واردات کو لکھا ہے (۴۸)۔ ان تفاصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ عرصہ مرشد اور مرید کے لیے عمیق روحانی اہمیت کا حامل تھا۔

روحانی تربیت:

حضرت مہارویؒ کے پاکپتن میں خواجہ فخر الدینؒ کے ساتھ وقتی قیام کے بعد اور ۱۷ اور ۱۸ سال تک حضرت نور محمدؒ چھ سے لے کر نو ماہ تک ہر سال اپنے شیخ کے ساتھ دہلی میں گزارتے تھے، مہار میں صرف چند ماہ کے لیے جاتے تھے (۴۹)۔ اس دوران حضرت مہارویؒ چشتیہ طریقہ کی گہری نظری تربیت سے گزرے۔ خواجہ فخر الدینؒ نے حضرت نور محمدؒ کو تین بنیادی، نظری اور جاں نثاری کے متعلق اپنے والد کے مرشد شاہ کلیم اللہ کی تین کتابیں تفویض کیں: کشکول کلیمی، مرقع کلیمی (کشکول کلیمی کا ضمیمہ) اور سواء السبیل (۵۰)۔ لیکن اپنے والد ماجد کی چشتی طریق سے متعلقہ اعمال اور استغراق کی تراکیب والی کتاب: 'نظام القلوب' (۵۱) کی سفارش نہ کی۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ شاہ کلیم اللہ نے چشتیہ تعلیمات اور اعمال کے متعلق ایک نیا ڈھانچہ (فریم ورک) تشکیل دیا تھا۔ جس کا ایک مرشد کی نگرانی میں مطالعہ کرنا تھا۔

خواجہ فخر الدینؒ سے نصاب کی دیگر کتب میں شامل یہ تھیں: محی الدین ابن عربی (م: ۶۳۷ھ/ ۱۲۴۰ء) کی فصوص الحکم، خواجہ شمس الدین شیرازی (م: ۷۸۹ھ/ ۱۳۸۷ء) کا دیوان اور جلال الدین رومی (م: ۶۷۱ھ/ ۱۲۷۳ء) کی مثنوی۔ حضرت نور محمدؒ کو عبید اللہ احرار (م: ۸۹۵ھ/ ۱۴۹۰ء) کی فقرات دیتے ہوئے نصیحت کی: "تمھیں یہ کتاب کثرت کے ساتھ پڑھنی چاہیے کیوں کہ یہ لازمی جذبہ (روحانی

کشش) پیدا کرنے والی ہے (۵۲)۔ انھوں نے صرف حضرت نور محمدؒ سے اپنی بیاض سے استغراقی کیفیات اور مشاہدات بتائے جہاں انھوں نے عجائباتِ کبریٰ لکھے ہیں۔ نیز دل و دماغ کی کیفیات جن کا ان کو تجربہ ہوا جب انھوں نے اورنگ آباد سے اجمیر تک ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء میں ایک پہلے سفر میں کیا (۵۳)۔ حضرت نور محمدؒ نے روحانی ارتقاء کے لیے یہ اعمال اختیار کیے: ذکر خدا، حبس دم، مراقبہ، مجاہدہ اور سماع سننا (۵۴)۔ یہ علوم باطنی کے عملی پہلو ہیں۔ علاوہ ازیں صحبت شیخ فیضانِ روحانی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اور روحانی عمل میں اس نے بہت خدمت سرانجام دی۔ حضرت نور محمدؒ کچہری کی مجالس میں اپنے مرشد کا بہت احترام کے ساتھ ذکر کرتے تھے اور ان کی شفقت کی تعریف کرتے تھے۔ حضرت نور محمدؒ کا درج ذیل بیان تجسس بیدار کرتا ہے:۔

> ''حضرت مولانا (فخر الدینؒ) رضی اللہ عنہ بہت خوش طبع تھے، مگر جس وقت بندہ حاضر ہوتا تو خوش طبعی نہ فرماتے۔ میں بھی اس بات کا لحاظ رکھتا تھا کہ جب آپ کے حضور میں خوش طبع دوست حاضر آتے تو میں اٹھ کر (کمرے سے) باہر چلا جاتا۔ دریں اثنا حضرت خلیفہ صاحب نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ تھی کہ آپ کے ساتھ خوش طبعی روا نہ رکھی جاتی (مولانا صاحبؒ سنجیدہ رہتے تھے)۔ حضرت نور محمدؒ نے فرمایا کہ اس میں بھی ایک حکمت تھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ ہر طریق کے لوگوں کی نگہداشت کرتے اور ان کے مزاج کے مطابق

> طریقہ تلقین اختیار کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا کے دالان کے نزدیک دوست (صحن میں) سوتے تھے مگر مجھے یہ حکم تھا کہ میں علیحدہ مکان میں رہوں یہاں تک کہ وہ مجھے تنہائی میں پڑھاتے تھے۔ اس کے بعد مولانا صاحب چلے جاتے اور باقی تمام (لوگ) اکٹھے پڑھتے تھے۔ (۵۵)

اس امتیازی سلوک کی وضاحت کرنا مشکل ہے جو مرشد اپنے مرید سے روا رکھتے تھے۔ اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ حضرت نور محمدؒ میں غیر معمولی روحانی اور عقلی خوبیاں تھیں یا یہ کہ وہ پنجاب سے آئے تھے جو بابا فریدؒ کا علاقہ تھا۔ وجہ جو بھی ہو، حضرت فخر الدینؒ بہت زیادہ خیال رکھنے والے اور نہایت ہمدرد مرشد تھے۔ وہ اپنے خاص مرید کی علوم ظاہری اور علوم باطنی کے پروان چڑھانے میں ہر ممکن کوشش کرتے تھے، نیز ان کے تمام امور میں بھی توجہ اور خیال رکھتے تھے۔ حضرت نور محمدؒ کے سوانح نگار ہمیں بتاتے ہیں کہ ان کی شادی بھی خواجہ فخر الدینؒ کی توجہ سے ہوئی اور شاید ان کی مالی مدد کرنے سے (۵۶)۔ حضرت نور محمدؒ کی شادی ہوئی، حالانکہ وہ تجرد کو ترجیح دیتے تھے (۵۷)۔ یہ ایک ایسا عمل تھا جس کی حوصلہ افزائی سلسلہ چشتیہ کے کچھ شیوخ کرتے تھے (۵۸)۔

حضرت نور محمدؒ کا خلعت خلافت سے نوازا جانا اور ان کا پنجاب واپس آنا:

مولانا صاحبؒ نے حضرت نور محمدؒ کی اٹھارہ سال تک ذہنی/عقلی اور روحانی تربیت کرنے کے بعد، ان کو ۱۱۸۳ھ-۱۱۸۴ھ/ ۶۹ ۱۷ء-۱۷۷۰ء میں خلعتِ خلافت سے سرفراز کیا۔ انھوں نے حضرت نور محمدؒ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور ان کو مشورہ دیا کہ وہ

مہار میں ایک خانقاہ قائم کریں[۵۹]۔ اس وقت کے بعد، اگر کوئی طلب خدا کی تلاش کے لیے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے آتا تو وہ اس کو حضرت نور محمدؒ کی طرف بھیج دیتے۔ جب حضرت نور محمدؒ پنجاب کی جانب چلے گئے، تو کہا جاتا ہے کہ حضرت مولانا صاحبؒ اکثر درج ذیل پنجابی دوہا پڑھتے جو ان کے قریبی روحانی تعلق کی اہمیت واضح کرتا:۔

تن مٹکے، من جھیرنا، سُرت بلاون ہار
مکھن پنجابی لے گیا، چھاچھ پیو سنسار

(۶۰)

یعنی (میرا) جسم غیر متحکم ہے، دل افسردہ ہے، میرا شعور اور احساس یاد کرتا ہے۔ پنجابی (خانقاہ کی جماعت کا) جوہر (مکھن) لے گیا، جو ہمارے لیے باقی بچ گیا، وہ لسی ہے (لسی پینے کے لیے باقی رہ گئی ہے)۔

امام بخش نے لکھا کہ مولانا فخر الدینؒ نے ان کے دادا کو ان وصیتوں کے ساتھ الوداع کہا:

۱۔ جب تمھیں میری وفات کی خبر پہنچے، تو دہلی نہ آنا۔

۲۔ (اپنے ملک یا علاقے) میں ہندوستانی لباس نہ پہننا۔

۳۔ اگر کوئی شخص تمھیں ضرر یا تکلیف پہنچائے تو اس کو معاف کر دینا (درگزر کرنا)۔ اور اس کے مقابلے میں اس کے ساتھ بھلائی و مہربانی کرنا۔

۴۔ جب تم اس علاقے میں سکونت اختیار کر لو گے، تو تمہاری طرف علماء، سادات

اور حضرت گنج شکرؒ کی اولاد رجوع کریں گے، ان کا ادب واحترام بجالانا اور ان کی تعظیم وتکریم کرنا۔

۵۔ ایک امیر (حکمران) تمہارے دامنِ لطف سے وابستہ ہوگا۔ اس کی اور اس کے ملک کی نگہداشت کرنا۔

امام بخشؒ نے مزید لکھا کہ حضرت نور محمدؒ نے ان تمام ہدایات پر عمل کیا اور ان کا خیال ہے کہ امیر ملک (حکمران) سے مراد شاید نواب محمد بہاول خاں ثانی تھے (عہد حکومت ۱۱۸۵ھ۔ ۱۲۲۳ھ/ ۱۷۷۲ء۔ ۱۸۰۹ء)[۶۱]۔ دوسری لباس کے بارے میں وصیت حضرت نور محمدؒ کے اپنے اس وقت کے احساس کو یاد دلاتی ہے جب وہ حضرت مولاناؒ سے پہلی بار ملے[۶۲]۔ جو بنیادی مآخذ ہم نے استعمال کیے ہیں، ان میں صرف ایک حوالہ ایسا ہے جو بتاتا ہے کہ حضرت نور محمدؒ نے غیر پنجابی لباس پہنا جب انھوں نے خواجہ فخر الدینؒ کے ساتھ اکتوبر ۱۷۵۱ء میں دہلی سے پاکپتن کا وقتی سفر اختیار کیا۔ مرشد نے حضرت نور محمدؒ کو اجازت دی کہ وہ پاکپتن سے روانہ ہوں اور مہار جائیں تاکہ وہ اپنی والدہ ماجدہ اور دوسرے رشتہ داروں سے مل سکیں۔ حاجی نجم الدین سلیمانی نے مہار میں ان کی آمد کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے:۔

جب وہ مہار شریف کے قریب پہنچے، تو ندی آ گئی۔ اس ندی میں بارش کے دنوں میں پانی آجایا کرتا تھا اور باقی دنوں میں خشک رہتی تھی (اب بھی اس ندی کا نشان باقی ہے)۔ اُن دنوں اس میں پانی تھا۔ انھوں (حضرت نور محمدؒ) نے ایک ہندوستانی کی طرح لباس پہنا ہوا تھا۔ تنگ پاجامہ (شلوار)، سر پر کلاہ چہار ترکی[۶۳] اور دوش پر مٹی کا

آفتابہ (لوٹا) رکھا تھا۔ مہار شریف کی چند خواتین ندی کے دوسرے کنارے پر کپڑے دھو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک حضرت نور محمدؒ کی چچی یا خالہ تھیں۔ جب وہ ندی عبور کر رہے تھے، تو اس خاتون نے پوچھا: ''اے درویش! تم ہندوستان سے آرہے ہو۔ ہمارا بیٹا بابل نامی، جو تمہاری طرح ہے، وہاں گیا ہوا ہے، کیا اس کی کوئی خبر ہے''؟ انھوں نے جواب دیا: ''وہ میں ہی ہوں''۔ ان کی چچی فوراً بھاگ کر حضرت نور محمدؒ کی والدہ کی طرف گئیں اور ان کو یہ خبر دی(۶۴)۔

حضرت مہارویؒ اپنی فروتنی (عاجزی) اور دیہاتی اصل سے آگاہ تھے اور مستقل طور پر اپنی انکساری کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے:۔

حضرت نور محمدؒ کو بیعت کرنے کے بعد، مولانا صاحبؒ نے ان سے کہا: ''تم لوگوں کی خوب خدمت کرو گے''۔ حضرت نور محمدؒ حیران ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا: ''میں ایک غریب پنجابی ہوں، بہت سے ایسے افراد موجود ہیں جو مجھ سے بہتر ہیں اور آپ کے زیادہ قریب ہیں۔ میں کس طرح خدمت کرنے کا موقع پاؤں گا''۔ تاہم ایسا ہی ہوا جیسا مولانا صاحبؒ نے فرمایا تھا۔ اِس دن تک حضرت نور محمدؒ اور ان کے خلفاء سے حیران کرنے والی چیزیں رونما ہو رہی ہیں(۶۵)۔

مولانا فخر الدینؒ اور حضرت مہارویؒ کے پنجابی خلفاء:

حضرت نور محمدؒ کی داستانِ حیات تیرھویں صدی کے بڑے بڑے صوفی شیوخ کی ''یادداشت اور یادآوری'' کی دریافت کا نقطۂ آغاز ہے اور اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کے شیوخ اور ان کے مزارات / مقابر کی زیارت ہے۔

حضرت نور محمدؒ اور ان کے خلفاء مزارات جیسے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا سلسلہ عمارات نے ان کی روحانی تاریخ کی علامت کا کام دیا اور ان کے معاصر صوفی ازم کی یادآوری کا کردار کا بھی۔ ایک مجلس میں حضرت نور محمدؒ نے یاد کیا کہ ان کے دہلی میں بیعت کے بعد دوسری بار جانے پر وہ خواجہ فخر الدینؒ کے ساتھ مہرولی گئے تاکہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ کی زیارت کریں۔ وہاں خواجہ فخر الدینؒ نے حضرت نور محمدؒ کو مشورہ دیا: ''اِس مقام کو یاد رکھیں جہاں میں نے تمہیں خلعت بیعت سے سرفراز کیا''(۶۶)۔ حضرت نور محمدؒ کے اپنے خلفاء نے بھی اس مقام کی تعظیم وتکریم جاری رکھی۔

۱۱۸۳ھ/۱۷۷۹ء میں پنجاب میں آنے کے بعد حضرت فخر الدینؒ کے انتقال تک وہ حضرت نور محمدؒ دہلی میں اپنے مرشد سے ملنے کے لیے سال میں دو تین ماہ تک جاتے تھے(۶۷)۔ پنجاب میں ایک بڑے صوفی شیخ کی حیثیت سے حضرت نور محمدؒ نے اپنے بعض مریدوں کی خلافت کے لیے تربیت کی۔ پھر وہ ان کو دہلی میں اپنے ساتھ لائے یا ان کو دہلی بھیجا تاکہ وہ خواجہ فخر الدینؒ سے پڑھ سکیں۔ حضرت نور محمد نارووالہؒ، قاضی محمد عاقل فاروقیؒ، حافظ محمد جمال ملتانیؒ اور محمد سلیمان تونسویؒ۔ نور محمد نارووالہؒ (۱۱۳۳ھ-۱۲۰۳ھ/ ۱۷۲۱ء- ۱۷۸۹ء) جو اسلامی علوم کے فاضل تھے، حضرت نور محمدؒ کے سب سے بڑے (senior) خلیفہ تھے، انھوں نے خواجہ فخر الدینؒ سے تصوف کی کتاب پڑھیں(۶۸)۔ قاضی محمد عاقل فاروقیؒ (م: ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ء) حضرت نور محمدؒ کے ساتھ دو یا تین بار دہلی گئے۔ انھوں نے خواجہ فخر الدینؒ سے شاہ کلیم

اللہؒ کی سواء السبیل اور شرح عبدالحق پڑھیں۔ انھوں نے تنہائی میں خواجہ فخر الدینؒ سے صوفیانہ اشغال کی بعض تراکیب بھی سیکھیں[69]۔ دہلی سے روانگی کے وقت حضرت فخر الدینؒ نے اپنی ذاتی لائبریری سے ان کو چار کتابوں کا تحفہ بھی دیا[70]۔ قاضی محمد عاقل ریاست بہاول پور میں قاضی القضاۃ (چیف قاضی) بنے اور انھوں نے دو مدرسے قائم کیے اور ان میں تدریس کا کام بھی کیا۔ حافظ محمد جمال ملتانیؒ (م: ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء) نے دہلی میں خواجہ فخر الدینؒ سے تصوف کی کتابیں پڑھیں[71]۔ انھوں نے خواجہ فخر الدینؒ سے درسِ حدیث کا طریقہ بھی سیکھا[72]۔ وہ ایک شاعر بھی تھے، انھوں نے ملتان میں دو مدرسے قائم کیے۔ حضرت محمد سلیمان تونسویؒ (۱۱۸۳ھ/ ۱۷۷۰ء۔ ۱۲۶۶/ ۱۸۵۰ء) حضرت نور محمدؒ کے سب سے کم عمر اور سب سے زیادہ نمایاں خلیفہ تھے، وہ حضرت مہارویؒ کے مشورہ سے حضرت فخر الدینؒ سے ملاقات کرنے کے لیے دہلی گئے۔ بدقسمتی سے ان کے دہلی میں پہنچنے سے تین روز پہلے حضرت فخر الدینؒ کا انتقال ہو گیا اور ان کو مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ کے قریب دفن کر دیا گیا۔ حضرت سلیمانؒ وہاں حاضر ہوئے اور انھوں نے وہاں چالیس روز تک خواجہ (فخر الدینؒ کے چہلم تک) اعتکاف کیا[73]۔ حضرت محمد سلیمانؒ کی عمر سولہ برس تھی جب ان کو حضرت نور محمدؒ نے خلعتِ بیعت سے سرفراز کیا، وہ اپنے شیخ کے بعد ۶۰ سال تک زندہ رہے۔ وہ اپنے تبحر علمی کی وجہ سے معروف تھے بالخصوص فقہ میں اور انھوں نے تونسہ شریف میں مدارس کا ایک سلسلہ قائم کیا جہاں وہ تصوف کی کتابوں کی تدریس کرتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ دوپہر کے بعد گھر میں خواتین کو فقہ اور تصوف کی

تعلیم دینے کے لیے باقاعدہ کلاسز لیتے تھے۔

خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمدؒ کے درمیان خطوط کا تبادلہ بھی ہوتا تھا، اگرچہ ابھی تک حضرت نور محمدؒ کے نام دو خطوط ملے ہیں[74]۔ ان میں سے ایک خط ہماری موجودہ بحث کے لیے قابلِ غور ہے۔ اس مکتوب میں خواجہ فخر الدینؒ نے چشتی طریقہ کے چند اشغال کو تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انھوں نے اس کے شروع میں حضرت نور محمدؒ کے دوستوں اور ان کے سلوک کے بارے میں تفصیل کے ساتھ استفسار کیا ہے۔ پھر انھوں نے تجویز دی ہے کہ حضرت نور محمدؒ ان کے ساتھ صرف بیٹھنے (صحبت) سے اپنے مریدوں پر گہرا اثر چھوڑیں گے اور عشق مجاز (یا تنگ نظر) لوگوں کی صحبت سے بچنے کا لکھا ہے۔ انھوں نے یہ لکھا:

> تمہارا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ان کی مدد کرے گا کہ وہ جہالت کی خطرناک صورت حال سے باہر نکل آئیں۔ اگر کوئی ایک شخص آپ کے مشورے سے اللہ کا نام سیکھ جائے تو آپ کا عمل لازمی (فرضی) عبادات سے بھی افضل ہے۔ کیا آپ کبھی صوفیانہ سماع سنتے ہیں یا اس کو سننا بالکل ختم کر دیا ہے۔ یا آپ اس کو کبھی کبھار سازوں کے بغیر سن لیتے ہو؟ مریدوں پر ''توجہ'' کے عمل کو سرگرمی کے ساتھ جاری رکھیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ احباب کے ہمراہ ''مراقبہ'' ضرور کیا کریں اور اس میں آپ کی نیت یہ ہونی چاہیے کہ آپ کی

روحانی حرارت کا اثر ان تک جا پہنچے۔ واضح رہے کہ جس قدر
اپنے مرشد کی تابعداری (تعظیم وتکریم) ایک مرید کر سکتا ہے،
علوم ظاہری کا ایک طالب علم نہیں کرتا۔ یہ قانون قدرت ازل
سے چلا آرہا ہے اور اس قانون کو اسی طرح آگے چلتے رہنا
چاہیے[۷۵]۔

ان کے درمیان ایک اور خط وکتابت کے تبادلے میں حضرت نور محمدؒ نے دو عمدہ فارسی اشعار میں بیان کیا کہ کس طرح اچھے اور برے لوگ خواجہ فخر الدینؒ کی توقیر اور سخاوت کی وجہ سے ان کی جانب آئے اور کس قدر اثر خواجہ فخر الدینؒ کی فیاضی نے ان پر اور ان جیسے سینکڑوں لوگوں پر چھوڑا۔ مزید یہ کہ ان کے الجھے ہوئے معاملات درست ہوگئے۔ حضرت فخر الدینؒ نے اس کا جواب دو اردو اشعار میں دیا۔ جن میں اس پر زور دیا کہ اپنی خودی کو مٹانے سے ہستی کا تجربہ ہوا اور راہِ سلوک میں انکساری اختیار کرنے سے عالی مقام حاصل ہوا[۷۶]۔

مرشد، مرید اور علم کا ابلاغ: ماڈل اور مناظر:

اسلامی علم، اس کے ابلاغ کے انداز، اور اسلامی تعلیم کے ادارے بالخصوص مدارس یہ سب علوم اسلامیہ کے سکالرز کی روز افزوں مسلسل توجہ حاصل کر رہے ہیں[۷۷]۔ شیخ سے مرید تک علم کے ابلاغ کا عمل توجہ طلب ہے جزوی طور پر صوفی ازم (تصوف) کی تجسیم اور پہلے مذکورہ دیہاتی اور شہری کی قطعی مخالفت جو اسلام کے بارے میں بہت سے عالمانہ لٹریچر میں موجود ہے، لیکن سب سے زیادہ اہم شیوخ

کے ملفوظات میں علوم ظاہری اور علوم باطنی کے اکثر حوالے ملتے ہیں۔ یہ شیوخ اس تحقیق کا موضوع ہیں۔ خواجہ فخر الدینؒ پہلے صوفی نہیں ہیں جنہوں نے علم کی ان دو اقسام کی طبقہ بندی کی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ شاہ کلیم اللہؒ نے اپنے مرید (خواجہ فخر الدینؒ کے والد) کو مشورہ دیا تھا کہ ان کو روحانی ارتقاء سے متعلق علوم کی طرف توجہ مرکوز کرنی چاہیے نہ کہ فلسفہ اور مابعد الطبیعیات کی طرف۔ یہ تقسیم معاصرانہ عمل سے ملتی جلتی ہے جو علم کی ''سیکولر'' اور ''دینی'' طبقات میں کی جاتی ہے۔ صوفی شیوخ کے مطابق علم کی اس طبقہ بندی نے اس کے دائرے کو کم نہیں کیا۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ایک صوفی ...... خواہ وہ دیہاتی پنجاب کا رہنے والا ہو یا عالمی شہر دہلی کا ...... اعلیٰ تعلیم کی دو اقسام میں درجہ بندی کرتا تھا ...... علوم ظاہری و علوم باطنی۔ علوم ظاہری میں شامل تھے۔ قرآن مجید اور اس کا حفظ کرنا، تفسیر اور اصول تفسیر، حدیث، فلسفہ، منطق، الٰہیات، لہجہ (اسلوب کلام) اور علمِ کلام، علم مناظرہ، مابعد الطبیعیات، ریاضی، تاریخ، نیز عربی، فارسی اور مقامی زبانیں اور ادب (دونوں: شاعری اور نثر)۔ اس کے برعکس علومِ باطنی کی خاص توجہ ان کی طرف تھی: تصوف کے بارے میں بنیادی کلاسیکی کتابوں کا پڑھنا، روحانی تربیت اور اشغال۔ ان سب کی تحصیل ایک صوفی / شیخ کی نگرانی میں کرنا۔ شاہ کلیم اللہؒ کی ان دو اقسام کے علوم پر توجہ ہے کہ شاہ کلیم اللہؒ کی فلسفہ، مابعد الطبیعیات اور طب میں خدمات کی جانب توجہ نہیں دی گئی جب کہ ان کی صوفی ازم پر کتابیں خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمدؒ کے خلفاء تک استعمال میں رہیں اور ابھی تک شائع کی جاتی

ہیں (مطبوعہ صورت میں دستیاب ہیں)۔ شاہ کلیم اللہؒ اپنے دور کے سب سے زیادہ نمایاں چشتی صوفی مانے اور سمجھے جاتے ہیں[۷۹]۔ ان کے اعلیٰ تعلیم کے نظریہ کی تشکیل کو ان کے روحانی اخلاف کی کئی نسلوں نے آگے بڑھایا۔ نظام الدین اورنگ آبادیؒ سے لے کر حضرت نور محمدؒ کے خلفاء تک۔

اس بات کو نمایاں کرنا اہم ہے کہ حضرت نور محمدؒ اور خواجہ فخر الدینؒ کے اپنے اپنے مریدوں سے متعلق اندازِ نظر میں فرق ہے۔ حضرت نور محمدؒ کے مرید دیہاتی عوام سے آتے تھے۔ ان کی اپنے مرشد تک رسائی آسانی سے ہو جاتی تھی۔ ایک مجلس میں انھوں نے اپنے مشن کو اس طرح بیان کیا:۔

> میں لوگوں کے اہم تحفظات (مسائل) میں مصروف ہونے کو یقینی بناتا ہوں اور ان کی جانب توجہ دیتا ہوں اور ہر شخص سے گفتگو کرتا ہوں۔ اگر ایسا نہ کروں تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کیا ہوگا۔ ورنہ سب سے زیادہ اہم مشن ...... لوگوں کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا ممکن نہ ہوگا۔

اس حوالے سے حضرت نور محمدؒ کے سوانح نگار حکیم محمد عمر نے اپنی گفتگو کا ذکر کیا جو انھوں نے حضرت نور محمدؒ کے فاضل اور سینئر خلیفہ حضرت نور محمد نارووالہؒ سے کی۔ حکیم صاحب نے کہا:۔

> حضرت قبلہ (نور محمدؒ) اکثر اوقات ہر آنے والے کے ساتھ توجہ سے باتیں کرتے۔ فرماتے ہیں، کسی قسم کا انحراف نہیں فرماتے اور عوام کی معقول اور غیر معقول معروضات سے مکدر

> خاطر نہیں ہوتے تو حضرت خلیفہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت کا یہ طریقہ محض ہم خوش قسمت لوگوں کی خاطر ہے۔ اگر یہ مشیت الٰہی وہ اپنے کو اس طرف مائل نہ فرماویں تو اللہ جانتا ہے کہ کیا حال ہوا اور ہم حضرت کو کہاں دیکھ سکیں[۸۰]۔

حضرت نور محمدؒ نے اپنے شیخ کا اپنے مریدوں کے ساتھ سلوک کا ذکر اس طرح کیا:

> حضرت مولوی صاحب (خواجہ فخر الدینؒ) ہر وقت اپنے آپ کو درس و تدریس میں مصروف رکھتے تھے اور لوگوں کی بھی بہت آمد و رفت تھی۔ تھوڑا سا وقت بھی فارغ ہوتے تو کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے، کیوں کہ مولوی صاحب فرماتے تھے کہ اگر میں اپنے آپ کو مطالعہ (اور تدریس) میں مشغول نہ رکھوں تو اللہ جانتا ہے کہ کس حال کو پہنچ جاؤں۔ اس لیے ناچار ہو کر اس طرف راغب ہو جاتا ہوں[۸۱]۔

خواجہ فخر الدینؒ کتابوں سے محبت کرتے تھے، انھوں نے ایک اچھی لائبریری بنائی اور نظامی (خلیق احمد نظامی) کے مطابق انھوں نے چار کتابیں لکھیں اور اپنے مریدوں کے ایک مکاتیب کا مجموعہ (رقعات مرشدی)[۸۲]۔ رقعات مرشدی کے علاوہ جو کتاب اب بھی دستیاب ہے، وہ ''فخر الحسن'' ہے[۸۳]۔ یہ اس عالمانہ بحث پر مشتمل ہے جو خواجہ فخر الدینؒ اور شاہ ولی اللہ کے درمیان ہوئی کہ سلسلہ چشتیہ کا سلسلہ ارادت

خلیفہ راشد حضرت علیؓ بن ابی طالب (م: ۴۰ھ/۶۶۱ء) اور حسن بصریؒ (م: ۱۰۹ھ/ ۷۲۸ء) تک پہنچتا ہے۔ یہ کتاب خواجہ فخرالدینؒ کے تبحر علمی پر روشنی ڈالتی ہے جس میں حدیث کے بہت سے مجموعوں، ان کی شروح کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے اہم مصادر کے حوالے بھی دیے ہیں (۸۴)۔ جب کہ حضرت نور محمدؒ نے قیام دہلی کے دوران کتابیں جمع کرنے کا شوق ضرور اپنایا۔ انھوں نے خود زیادہ نہیں لکھا۔ ان کی تحریروں میں سے چند خطوط ہیں جو ابھی تک ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ ان کا یہ کام ابھی تک مزید تحقیق چاہتا ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ چشتی صوفیہ کی تصانیف کی کمی کا مسئلہ کئی مجالس میں اٹھایا گیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ چشتی خواجگان کو مشکل سے کتابیں لکھنے کا وقت ملتا تھا، کیوں کہ وہ حب الٰہی میں استغراق کی کیفیت میں رہتے تھے (۸۵)۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ ان دو مشائخ کے علاقے مختلف تھے، ایک کا شہری اور دوسرے کا دیہاتی۔ جو زبانیں مجالس، تحریر اور تدریس میں حضرت فخرالدینؒ استعمال کرتے تھے، وہ عربی، فارسی اور اردو تھیں، لیکن حضرت نور محمدؒ عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ پنجابی اور سرائیکی میں بھی خوب مہارت رکھتے تھے۔ خواجہ فخرالدینؒ کے مقام دہلی کے سماجی آداب زیادہ رسمی تھے جب کہ حضرت نور محمدؒ کا آداب کے حوالے سے دیہاتی پنجاب میں زیادہ قریبی اور غیر رسمی نقطۂ نظر تھا۔

تاہم یہ بات دلچسپ ہے کہ دونوں مشائخ کی گفتگو/ بحث میں خواہ وہ عوامی پسند کے قصے کہانیاں ہوں ان کی بنیاد کتابوں پر تھی۔ دونوں چشتی خانقاہوں پر غور کرتے

ہوئے، تصوف اور اسلام کے بارے میں ملفوظات جو پنجاب کے شہری اور دیہاتی علاقوں میں بیان ہوتے تھے، ان کا مقابلہ بعد عہد عثمانیہ (جدید ترکی) (۸۶)، افغانستان اور ترکستان کے ساتھ کرنا مشکل ہے (۸۷)۔ Mardin & Shahrani قرآنی قصے یوسفؑ وزلیخا کی ہر دلعزیزی کا ذکر دیہاتی ترکوں اور افغانوں کے درمیان اشاروں سے کرتے ہیں۔ یہ ان کو بیسویں صدی عیسوی میں داستان سراؤں کے ذریعے پہنچتی تھیں۔ دونوں لکھتے ہیں کہ ناآموختہ اور بعض اوقات ان پڑھ لوگ، جو عربی پڑھ نہیں سکتے تھے وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں نہایت اعلیٰ اسلامی تہذیب کو لوک ریت کے ذریعے سیکھنا پسند کرتے تھے۔ Mardin کا قیاس ہے کہ دولت عثمانیہ میں اسلامی کلچر کی نمو اور احیاء اور اس کے اساسی ماڈل قرآنی متن کے علم پر مبنی نہیں ہوں گے اور یہ ضروری آئے ہوں گے اس "علم پر جس کا ابلاغ خاندان کے اندر ہوتا تھا" (۸۸)۔ تاہم اٹھارویں صدی کے دیہاتی پنجاب میں قصہ یوسفؑ وزلیخا بہت ہر دلعزیز تھا اور حضرت نور محمدؒ کی مجالس میں اس کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کا بیانیہ داستان سرائی کے انداز میں نہیں ہوتا تھا بلکہ اس کو قرآنی متن اور تفاسیر کے حوالے سے بیان کیا جاتا تھا بالخصوص تفسیرِ نقرہ کار جس کو افغانستان میں معین الدین محمد مسکین فراہی (وفات: ۹۰۷ھ/ ۱۵۰۱ء۔۱۵۰۲ء) نے لکھا تھا (۸۹)۔ ترکوں اور افغانوں میں داستان سراؤں کے زبانی ابلاغ اور پنجاب میں کتابوں کے متن پر مبنی ابلاغ میں فرق ظاہر کرتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان کے دیہاتی علاقے میں ایک خاص قسم کی خواندگی اور پھر تعلیم کا نظام موجود تھا۔

نتیجہ:

اس بحث کو سمیٹتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت نور محمدؒ ایک بڑے صوفی شیخ کی صورت میں ظاہر ہوئے جن کے پنجاب میں بہت پیروکار (مرید) تھے۔ ہماری تحقیق کے ابتدائی مرحلے میں حضرت نور محمدؒ کی مہارت ان علوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ فلسفہ، مابعد الطبیعیات، منطق، فقہ، شریعت، قرآن مجید، تفسیر، حدیث اور تصوف، تاریخ اور ادب۔ یہ مہارت ہمارے اس جائزے میں ظاہر ہوتی ہے جو وہ اجتماعی مجالس میں ان (حضرت نور محمدؒ) کے خلفاء اور دوسرے مرید مسائل اٹھاتے تھے اور وہ ان کے جوابات دیتے تھے یا ان کی وضاحت کرتے تھے۔ انھوں نے چار بڑے خلفاء کی تربیت کی جنھوں نے اجتماعی طور پر اٹھارویں صدی عیسوی کے پنجاب میں چشتیہ سلسلہ کی تاریخ پر گہرا اثر چھوڑا: نور محمد نارووالہؒ، قاضی محمد عاقلؒ، حافظ محمد جمال ملتانیؒ اور محمد سلیمان تونسویؒ۔ وہ علوم ظاہری کے ابلاغ میں سرگرم اور مستعد تھے تاکہ اپنے مریدوں کو اس قابل بنا سکیں کہ وہ اپنے منتخب پیشہ کے حصول کے لیے محنت کے ساتھ کام کر سکیں اور ان کی ساتھ ساتھ روحانی تربیت بھی ہو سکے۔ حضرت نور محمدؒ کی طرح، ان کے خلفاء عربی، فارسی، اردو، پنجابی اور سرائیکی میں بہت مہارت رکھتے تھے۔ وہ اپنی مجالس میں اٹھائے گئے سماجی یا اخلاقی مسائل کے بارے میں قرآنی آیات کو پڑھ سکتے تھے (یعنی اپنے ملفوظات میں)، وحدت الوجود کی نزاکتوں کی وضاحت ابن عربی کے حوالے سے دے سکتے تھے اور مولانا رومؒ کی مثنوی اور سلطان باہوؒ (م: ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۱ء) کی شاعری کی پیچیدگیوں پر بحث کر سکتے

تھے۔ خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمد مہارویؒ کی زندگی اور آثار ان کی جانب اشارہ کرتے ہیں...... دیہاتی اور شہری پیچیدہ بولی سے تعلق، پڑھے ہوئے اور ان پڑھ، علمی فضیلت اور لوک علم۔ یہ مستشرقین اور جدت پسند لوگوں کے ماڈل کی تردید کرتا ہے اور ''عظیم روایت'' اور ''معمولی روایت'' کی مخالفت کرتا ہے اور کئی صدیوں میں تصوف کی لچک کی توثیق کرتا ہے نہ یہ کہ اس کو ماضی بعید کے حوالے کر دینا یا یہ سمجھنا کہ یہ صرف بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی کے سلسلہ چشتیہ کے زریں عہد کے ساتھ مختص ہے (۹۰)۔ اس کے برعکس خواجہ فخر الدینؒ اور حضرت نور محمد مہارویؒ کی سرگرمیاں نمائندہ مثالیں ہیں جن پر ابھی تک تحقیق نہیں کی گئی۔ یہ ایسے ارتقائی مراحل ہیں جو شمالی ہندوستان میں چشتی روایت کے نام نہاد ''زریں عہد'' کے کئی صدیوں بعد اس سے گزرے۔

پس نوشت:

یہ مضمون / مقالہ ہمارے تحقیقی منصوبے کی کتاب کا ایک تعارف ہے۔ یہ منصوبہ ۱۸ویں اور ۱۹ویں صدی عیسوی کے پنجاب میں چشتی سرگرمیوں کی تین پشتوں (سلسلہ ارادت کی) پر مشتمل ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ان کے کردار کو دیہاتی سوسائٹی میں تسلسل اور تبدیلی کے عمل کو نمایاں کیا جائے...... سماجی و سیاسی اور مذہبی رجحانات کے پس منظر کے خلاف۔ یہاں اس کا مقصد یہ ہے کہ کھوج لگایا جائے کہ کیا

صوفی خلفاء کے نیٹ ورک نے مختلف دیہاتی مراکز کو اکٹھا کیا اور ایسی تبدیلی کے لیے سہولت فراہم کی جس سے پنجاب چشتی فخری سلسلے کے مرکز کی حیثیت سے ابھرا۔ مرشدوں کے مقبرے یعنی ان کی خانقاہوں کی شناخت کی جاتی ہے کہ ان کے علاقوں کے درمیان باہمی رابطہ (نیٹ ورکنگ) تھا۔ اس تجزیے کا مقصد (جو تین پشتوں پر مشتمل ہے) یہ ہے کہ خانقاہ کے اردگرد بسنے والے لوگوں کی ذہنی، روحانی، سماجی وسیاسی اور اقتصادی شعبوں میں ''یادداشت اور یادآوری''، ''تسلسل اور تبدیلی'' کے مظاہر کو تلاش کیا جائے۔ یہ تحقیقی منصوبہ بنیادی منابع ومصادر کے متنی اور موضوعی تجزیہ پر مبنی ہے۔ اس کو ایک ایسی کوشش سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کا مقصد پنجاب کی دو صدیوں کے ''ثقافتی، دانش وری اور روحانی نقشے کو تشکیل دیا جائے۔ (دیکھیے ضمیمہ ۲)

حوالے وحواشی

۱۔ نظام ۱۳۱۵ھ، ص۔۱۵؛ ملفوظات وحالات شاہ فخر دہلویؒ، اردو ترجمہ فخر الطالبین ومناقب فخریہ، ۱۹۶۱ء، ص۔۲۲۵۔

۲۔ غازی الدین خان نظام دہلی سے مہار (شریف) میں آ گئے اور کالپی میں ان کا انتقال ۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء میں ہوا..... نظام الملک کی تفصیل کے لیے نوٹ نمبر ۱۵ دیکھیں۔

۳۔ [اس میں Sufi Martyrs of Love از ارنسٹ، لارنس پر تبصرے کا ذکر کیا ہے اور ڈاکٹر صاحبہ نے اپنی تحقیق میں تبدیلی (نقشبندیہ سلسلہ سے چشتیہ سلسلہ) کی بات کی ہے]

۴۔ بستی تاج سرور کو اب چشتیاں شریف کہا جاتا ہے۔ اس مقام کی تفصیل اور تصویر کے لیے دیکھیے ضمیمہ ۱۔

۵۔ ان بحرانوں کے لیے یہ چند کتابیں مطالعہ کی جا سکتی ہیں:

Alam 1986; Nijjar 1972 and Singh 1978

۶۔ Carl Ernst اور Bruce Lawrence کے حوالے سے بات کی ہے کہ وہ عہد قدیم، عہد وسطی اور عہد جدید کی تقسیم کا انکار کرتے ہیں۔ یہ تقسیم مغرب کی تاریخ نویسی میں تصوف کے زوال کے بارے میں کی گئی ہے..... تفصیل کے لیے دیکھیے:

Ernst -Lawrence 2002,PP.11-14: مزید دیکھیں Ernst 2003, pp.108-123.

۷۔ دیکھیے: Asad 1986,p.6 میں جنید قادری کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے مجھے اس مضمون کے متعلق بتایا۔

۸۔ احمد پوری ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۸۰۔

۹۔ نظام (نظام الدین اورنگ آبادیؒ) کاکوری یا نگراؤں کے قصبہ میں ۱۱۴۱ھ / ۱۷۲۹ء میں پیدا ہوئے...... دیکھیے سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۴۷۔

۱۰۔ شاہ کلیم اللہؒ کے خاندانی حالات کے بارے میں دیکھیے نوٹ ۷۹۔

۱۱۔ نظام ۱۳۱۵ھ، ص۔ ۴۔

۱۲۔ اس میں شاہ کلیم اللہؒ کے ایک خط کا ذکر کیا ہے جس میں نظام الدین اورنگ آبادیؒ کو دکن کا علاقہ تفویض کرنے کا لکھا ہے، دیکھیں: کلیم اللہ ۱۳۱۰ھ، مکتوب نمبر ۲۱، ص۔ ۳۰۔

۱۳۔ Digby 2001, p. 2665

۱۴۔ نظام الدینؒ اورنگ آبادیؒ کی حیات اور سرگرمیوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: نظامی ۱۹۸۴، ص ۱۵۱۔۱۸۱۔

۱۵۔ نظام الملک نے شہنشاہ محمد شاہ (عہد حکومت ۱۷۱۹ء۔ ۱۷۴۸ء) کے وزیر کی حیثیت سے کام کیا تھا اور مغل حکومت کے تحت دکن کا گورنر بھی رہا تھا۔ نظام خاندان برطانوی راج تک حکمران رہا لیکن اس کا خاتمہ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء میں ہو گیا جب حکومت ہند نے پاکستان بننے کے ایک سال بعد اس علاقے کو اپنے ساتھ ضم کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: Heim 1998-2004,pp.5-18

۱۶۔ سماج میں جاٹ کمتر درجے کی قوم سمجھی جاتی تھی۔ ابوریحان البیرونی (م: بعد ۴۴۲ھ / ۱۰۵۰ء)

نے لکھا کہ جاٹ: ''مویشیوں کے مالک، کم درجے کے لوگ تھے''، بیرونی ۲۰۰۱ء، جلد ۱، ص۔ ۴۰۱۔ دوسرے سوانح نگاروں میں امام بخش (حضرت نور محمدؒ کی چوتھی پشت میں) نے لکھا کہ ان کے آباؤ اجداد حکمران اشرافیہ میں سے تھے اور اپنے نسب کو بہت مشہور ساسانی حکمران نوشیرواں (عہد حکومت ۵۳۱۔۵۷۹) سے ملایا۔ دیکھیے: مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔ ۱۰، مہاروی ۱۹۵۰، ص۔ ۱۱۔

۱۷۔ ان کے آباء و اجداد میں کھرل ابن کھیوا پہلا شخص ہے جس نے اسلام قبول کیا۔ مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔ ۹؛ مہاروی ۱۹۵۰، ص۔ ۱۰۔۔۔

۱۸۔ ان کی بیعت اور نام کی تبدیلی کی تفصیل کے لیے دیکھیے: مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔ ۹۔ پنجابی مردانہ ناموں کے اسلامی / عربی ناموں کے لیے دیکھیے:

Richard Eaton's study of another clan in the punjab, the Siyal. Eaton 1984, pp. 352-353.

۱۹۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ابتدائی سوانح نگار اہم مقامات کا فاصلہ اور جغرافیائی محل وقوع فراہم کرتے ہیں مثلاً نجم الدین سلیمانی نے چوٹالہ کے بارے میں یہ بیان کیا ''ایک گاؤں جو مہار سے تین کوس کے فاصلے پر ہے، شہر بہاول پور کے ماتحت علاقہ''، دیکھیے: سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۵۴، امام بخش نے پانچ سال کے بعد لکھا کہ چوٹالہ اور مہار (شریف) کے درمیان فاصلہ قریباً چار کوس تھا، بہاول پور کے قرب میں، تقریباً پینتیس میل پاکپتن کے مغرب میں، دیکھیے: مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔ ۱۰۔ مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔ ۱۱۔

۲۰۔ ان کے سوانح نگاروں کے بتانے کے مطابق حضرت نور محمدؒ کے بچپن کے لیے دیکھیے: سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔۵۵۔۵۷، مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۱۱۔۱۴؛ مہاروی ۱۹۵۰، ص۔۱۱۲۔۱۴۔ مادر زاد ولی کی صفت صرف حضرت نور محمدؒ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ پہلے صوفیہ میں سید اشرف جہانگیر سمنانی (م: ۱۴۲۵ء) بھی مادر زاد ولی سمجھے جاتے تھے۔ اس کو بعد میں آنے والے سوانح نگار غلام سرور لاہوری نے بیان کیا، دیکھیے لاہوری ۱۹۹۰، جلد۲، ص۔۲۵۱۔ زیادہ تفصیل کے لیے دیکھیں:

Ernst-Lawrence 2002, p.78.

۲۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: Digby 2001, pp.Vii-Viii, 22-29.

۲۲۔ غازی الدین خان نظام کے حوالے میں خواجہ فخر الدینؒ کے دہلی آنے کے سال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان کی کتاب مناقب فخریہ میں سال ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء ہے، نظام ۱۳۱۵، ص۔۱۱؛ جو اشعار انھوں نے خواجہ فخر الدینؒ کے دہلی آنے کے بارے میں سلیمانی نے نقل کیے ان کے مطابق سال ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۱ء ہے۔ دیکھیے: سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔۵۱۔

۲۳۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔۵۸۔

۲۴۔ مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔۱۶؛ مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔۱۵۔۱۶۔

۲۵۔ پاکپتن سے مہار (شریف) کا فاصلہ قریباً ۶۵ میل ہے۔

۲۶۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔۵۷۔

۲۷۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔۵۸، عبدالرحمن جامی کی شرح ملا ابن حاجب (م: ۱۲۴۸ھ) کی کلاسیکی عربی گرائمر کی کتاب کی شرح ہے۔ سوانح نگار دوسری کتابوں کے عنوانات نہیں بتاتے

جو انھوں نے پڑھیں اور نہ ہی اساتذہ کے نام بتاتے ہیں۔ ہمیں صرف ایک خاص بات کا علم ہوتا ہے کہ حضرت نور محمدؒ کے وہاں قیام کے دوران، ڈیرہ غازی خان کا گورنر نواب محمود خان گوجر تھا، مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔۱۶، مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔۱۵

۲۸۔ یہ پہلا موقع ہے کہ ان کا مرید اور سوانح نگار حضرت نور محمدؒ کے بنیادی معاش کے حاصل کرنے کی مشکلات کا ذکر کرتا ہے، حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۹۹ل۔ خلاصۃ الفوائد حکیم محمد عمر، حضرت نور محمدؒ کے متعلق ایک پہلا اہم ماخذ ہے۔ ایسی صورت حال ان پریشانیوں سے منسوب کی جاسکتی ہے جو احمد شاہ درانی کے سپاہیوں نے لاہور میں پیدا کیں جو وہ پنجاب کے بعض اضلاع سے زمین کا ادا نہ کیا ہوا مالیہ کی وصولی کے بقایا کے لیے کر رہے تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: Singh ۱۹۵۹، ص۔۱۰۱۔۱۰۹۔

۲۹۔ تقریباً تین عشروں کے بعد ۱۷۷۴/۱۸۸۷ میں، حضرت نور محمدؒ کو پنجاب میں سلسلہ چشتیہ کے بہت معروف شیخ سمجھا جاتا تھا۔ جب محکم الدینؒ کی وفات کی خبر پہنچی تو حضرت نور محمدؒ نے یاد کیا: ''محکم الدینؒ ایک بہت نفیس انسان تھے، صاحب شوق (اللہ کی محبت میں) تھے۔ ایک بزرگ اور سیاح، لیکن وہ لوگوں کی باتوں کو برداشت نہیں کرتے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مجرد تھے اور اکیلے ہی رہتے تھے۔ میری ابتدائی زندگی میں، محکم الدینؒ اور میں لاہور میں اکٹھے پڑھتے تھے''۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۶۲۷۰/۱، ورق ۵ل۔

۳۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: Eickelman 1985, pp. 57-71

۳۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: Berkey 1992, pp. 21-43

۳۲۔ Eickelman 1985, pp. 59-68

۳۳۔ مدرسہ غازی الدین خان اعلیٰ تعلیم کا ادارہ (دارالعلوم) جس کو نظام الملک آصف جاہ کے والد غازی الدین خان فیروز جنگ (م: ۱۷۰۸ء) نے قائم کیا۔ یہ دہلی کے اجمیری دروازہ کے قریب واقع تھا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: Pernau 2006, pp. 4-7 and koch 2006, pp. 35-59.

۳۴۔ علم منطق کی ایک اہم کتاب، تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح الشمسیہ از قطب الدین محمد ابن الرازی التحتانی (م: ۷۶۶ھ/ ۱۳۶۴ء)، تحتانی ۱۹۴۸۔

۳۵۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۷ل۔ یہ گفتگو غالباً ان کے مرشد فخر الدینؒ (م: ۱۷۸۵ء) کی وفات کے پینتیس سال کے بعد مہار شریف میں ایک مجلس میں حکیم محمد عمر اور حضرت نور محمدؒ کے درمیان ہوئی اور یہ ایک سوال کے جواب میں جو حکیم محمد عمر نے اپنے شیخ سے ان کی پہلی بار دہلی جانے کے بارے میں کیا تھا کہ وہ اپنے مرشد خواجہ فخر الدینؒ کے پاس پہنچنے سے پہلے وہ کس استاد کے پاس پڑھتے تھے۔

۳۶۔ روزانہ کے الاؤنس (روزینہ) کا ذریعہ نہیں بتایا گیا۔ ان کے روزانہ کھانے کے معمولات تفصیل کے ساتھ ایک مجلس میں بیان کیے گئے۔ یہ مکالمہ تھا جو حکیم محمد عمر اور حضرت نور محمدؒ کے درمیان ہوا: "میاں صاحب ۲۴ گھنٹوں میں ایک بار کھانا کھاتے تھے۔ وہ بازار سے

۱۰ اونس (سوا پاؤ) چاول، آٹھ اونس (ایک پاؤ) گوشت اور ایک پاؤ آٹا لاتے تھے۔ اگر وہ چاول نہ خریدتے تو وہ سولہ اونس (نیم آثار) آٹا خریدتے اور روٹی بناتے۔ میں بھی ان کے ساتھ طعام کھاتا تھا۔ اگر وہ روٹی کھاتے، تو چاول مجھے دے دیتے تھے"۔ حضرت نور محمدؒ نے یہ بھی کہا کہ وہ اور میاں صاحب کھانا خود پکاتے تھے۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱۔ غور کرنے کے لیے یہ بات دلچسپ ہے کہ گفتگو میں اوزان اور وقت کے بیان کے لیے اصطلاحات عربی، ہندی/اردو اور فارسی میں ہیں۔ بطور مثال پاؤ چوتھا حصہ (۸ اونس) اور سوا پاؤ اور اس کا چوتھا حصہ ایک سیر کا ہے (۱۰ اونس)۔ ایک سیر دو پونڈ ۳۲ اونس کے برابر ہوتا ہے۔ "سیر" کی بجائے مصنف نے "آثار" کا لفظ استعمال کیا ہے جو عربی میں اس کے مترادف ہے۔ چوبیس گھنٹوں کے لیے، اس نے فارسی اصطلاح "ہشتم پاس" استعمال کی۔

۳۷۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، اوراق: ۳ب۔ ۴ل

۳۸۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۴ب۔

۳۹۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۸۵۔

۴۰۔ احمد پوری ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔

۴۱۔ احمد پوری نے یہاں پر ایک روایت بیان کی ہے۔ اس نے لکھا کہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری سال (۱۷۹۱ء) میں، حضرت نور محمدؒ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ کم بات کرتے

تھے۔ ایک روز جب کہ وہ گھر پر موجود تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کم بات چیت کیوں کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: ''میری بات چیت کی بنیاد تفسیر اور حدیث پر ہے۔ میں کس کے ساتھ بات کروں اور کون سمجھے گا''، احمد پوری ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۲۸۔

۴۲۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۵ ب۔

۴۳۔ خواجہ بختیار الدین کاکیؒ نے پاکپتن اور اس کے ارد گرد کے علاقے حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے روحانی اثر کے تحت تفویض کیے تھے۔

۴۴۔ شہنشاہ اور اشرافیہ زیارت کرنے کے لیے پیدل چلنے کی روایت پر عمل کرتے تھے۔ مغل شہنشاہ اکبر (عہد حکومت ۹۶۳ھ۔ ۱۰۱۳ھ/ ۱۵۵۶ء۔ ۱۶۰۵ء) نے دہلی سے سیکری (بعد میں فتح پور سیکری) نزد آگرہ تک پیدل سفر کیا تا کہ زندہ صوفی شیخ سلیم چشتی (م: ۹۷۹ھ/ ۱۵۷۲ء) سے فیوض و برکات حاصل کر سکے۔ اسی طرح شاہ عباس صفوی (عہدِ حکومت: ۹۹۵ھ۔ ۱۰۳۸ھ/ ۱۵۸۷ء۔ ۱۶۲۹ء) نے بہت زیادہ مشکل اور طویل راستہ اختیار کیا۔ اصفہان سے امام علی رضاؑ (م: ۲۰۳ھ/ ۸۱۹ء) کے مشہد میں واقع روضے تک (پیدل) سفر کیا۔ (سفر کا دورانیہ ۲۸ دن)۔ یہ صرف حکمرانوں کے پیدل زیارت کرنے کی دو مثالیں ہیں۔ اس عمل پر انیسویں صدی عیسوی میں عرب میں...... اختلاف پیدا ہوا جب صوفیانہ اشغال پر تنقید شروع ہوئی۔ دلائل کی تفصیل اور اس موضوع پر کتابوں کی تفصیل کے لیے دیکھیے: باب .

"Controversies over pilgrimage to Sufi Shrines" in:

Ernst-Lawrence 2002, pp. 92-98.

۴۵۔ نظامی ۱۳۱۵ھ، ص۔ ۱۱۔ ۱۲۔

۴۶۔ چشتی ۱۴۲۲ھ، ص ۱۷۰۔ ۱۷۶، خواجہ فخر الدین کی سرگرمیوں اور روحانی اشغال کے لیے دیکھیے حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۵ ب؛ نظام ۱۳۱۵ھ، ص۔ ۱۲، مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، اوراق: ۱۱۔ ۱۴؛ مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔ ۱۲۔ ۱۴۔

۴۷۔ پاکپتن کے سفر اور وہاں قیام کی تفصیل کے لیے دیکھیں: مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، اوراق ۳۳۔ ۴۶؛ مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔ ۲۶۔ ۳۵۔

۴۸۔ اس بیاض کے اقتباسات نثار احمد فاروقی نے پہلی بار شائع کیے، دیکھیے: فاروقی ۱۹۹۷ء، ص۔ ۷۔ ۲۵۔

۴۹۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۵ ب؛ مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔ ۳۵، تاہم امام بخش نے لکھا کہ حضرت مہارویؒ نے مولاناؒ کے ساتھ کل ۳۴ سال گزارے، مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔ ۱۵۶، مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔ ۱۱۲۔

۵۰۔ شاہ کلیم اللہؒ کی تصانیف کی تفصیل کے لیے دیکھیے: نظامی ۱۹۸۴ء، ص۔ ۱۰۰۔ ۱۴۲۔

۵۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: Ernst-Lawrence2002, pp. 28-32

۵۲۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۲۶ ب۔

۵۳۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۱۲۷۔

۵۴۔ چشتی بنیادی اشغال کی تفصیل کے لیے دیکھیں: Ernst-Lawrence 2002, pp.

Scanned by CamScanner

27-49

۵۵۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۲۴ ۔ ب۔

۵۶۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۶۱۔

۵۷۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۲ب۔

۵۸۔ شاہ کلیم اللہؒ نے خواجہ فخر الدینؒ کے والد نظام الدینؒ کے تجرد کی حوصلہ افزائی کی، لیکن بعد میں ان کو شادی کرنے کی اجازت دے دی، نظامی ۱۹۸۴ء، ص۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ شاہ کلیم اللہ کی اس موضوع پر آراء کے لیے دیکھیے: کلیم اللہ، س۔ن، ص۔ ۱۹۶۔ ۱۹۸۔

۵۹۔ چشتی ۱۹۹۲ء، ص۔ ۳۶۰۔

۶۰۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۷۷۔

۶۱۔ مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔ ۵۰۔ ۵۲، مہاروی، ۱۹۵۰ء، ص۔ ۳۸۔ ۳۹۔

۶۲۔ اور میں نے اپنے آپ کو دیکھا: "ایک پرانی شکن دار قمیص اور ایک چادر [جو کہ میں نے اپنے سینے کے گرد لپیٹی ہوئی تھی]، میرے سر پر لمبے الجھے ہوئے بال تھے۔۔۔" حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۴ب۔

۶۳۔ ٹوپی کے چار گوشے یا زاویے کا مطلب یہ ظاہر کرتا تھا: "(۱) ترکِ دنیا یعنی دنیا کو چھوڑ دینا، (۲) ترکِ عقبیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لیے نہ کی جائے کہ آخرت میں ثواب/اجر ملے گا (۳) ترکِ مولیٰ یعنی فنا فی اللہ کی منزل ہے۔ (۴) ترکِ ترک، یعنی

مکمل توحید کی منزل پر پہنچنا، یہ اعلان کرنا کہ وہ واحد و یکتا ہے۔ فاروقی ۱۹۸۳ء، ص۔ ۳۴۔

۶۴۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۵۹۔

۶۵۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۵۹؛ نظامی ۱۳۱۵ھ، ص۔ ۲۳۔

۶۶۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۲ ۔

۶۷۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۰۷۔

۶۸۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۱۸۔

۶۹۔ احمد پوری ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔

۷۰۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۱۸۔

۷۱۔ مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، ص۔ ۲۲۷، مہاروی ۱۹۵۰ء، ص۔ ۱۶۳۔

۷۲۔ پرہاروی س۔ن، ص۔ ۲۲۔ ۲۳۔

۷۳۔ سلیمانی ۱۳۱۲ھ، ص۔ ۱۵۶۔ ۱۵۹۔

۷۴۔ کچھ مکتوبات میں جو خواجہ فخر الدینؒ نے اپنے خلفاء کو لکھے، ان میں انھوں نے حضرت نور محمدؒ کے حوالے دیے۔

۷۵۔ فخر الدین ۱۹۹۱ء، مکتوب ا، ص۔ ۱۱۹۔

۷۶۔ فخر الدین ۱۹۹۱ء، ص۔ ۱۱۸۔

۷۷۔ From Makdisi 1981 to Hefner-Qasim Zaman 2007.

۷۸۔ ان کی تعلیم، اساتذہ اور چشتی سلسلہ میں بیعت کی تفصیل کے لیے دیکھیے: نظامی ۱۹۸۴ء، ص۔ ۹۱۔ ۹۴۔

۷۹۔ شاہ کلیم اللہؒ کے آباء و اجداد خجند (ترکستان) سے آئے، شیخ احمد معمار ایک ریاضی دان اور انجینئر تھے۔ انھوں نے تاج محل (آگرہ میں) اور لال قلعہ (دہلی میں) کا نقشہ بنایا۔ شاہ کلیم اللہؒ کے والد ماجد، حاجی نور اللہ، بھی ایک انجینئر ریاضی دان اور خوش نویس تھے۔ انھوں نے جامع مسجد دہلی پر خطاطی کے لیے ڈرائنگ تیار کیں۔ شاہ کلیم اللہؒ بحیثیت صوفی اور سکالر کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: Rizvi 1983, vol.2, pp.296-305.

۸۰۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۸ ل۔ ب۔

۸۱۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۱۸۔

۸۲۔ نظامی ۱۹۸۴ء، ص ۱۹۸۔۲۰۱۔

۸۳۔ فخر الدین ۱۹۹۳ء۔

۸۴۔ اس کتاب کے مندرجات کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: نظامی ۱۹۸۴ء، ص ۲۰۰۔۲۰۱۔

۸۵۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، اوراق ۱۷ ب۔ ۱۸ ل

۸۶۔ دیکھیے Mardin 1989,pp.1-22

۸۷۔ دیکھیے Shahrani 1991, pp. 161-188

۸۸۔ Mardin 1989, p.5

۸۹۔ حکیم محمد عمر، خلاصۃ الفوائد، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، ورق ۲ سل۔

۹۰۔ دیکھیے Ernst 2005, pp. 191-207

فہرست مصادر و منابع
(Bibliography)

نوٹ: یہ مقالہ برلن میں شائع ہوا تھا۔ مغربی زبانوں کے لیے نقل حرفی (Transliteration) کی سکیم وہی استعمال کی ہے جو اصل مقالے میں ہے، البتہ اعراب (Diacritcal marks) نہیں لگائے جا سکے۔

احمد پوری گل محمد، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء:

ذکر الاصفیاء فی تکملہ سیر الاولیاء۔ دہلی: مطبع رضوی

پرہاروی، عبدالعزیز، س۔ن:

گلزار جمالیہ۔ خانیوال: مکتبہ جمالیہ

التحتانی، قطب الدین الرازی، ۱۹۴۸ء:

تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح الشمسیہ۔ قاہرہ: مصطفیٰ البابی الحلبی پریس

چشتی، افتخار احمد، ۱۹۹۲ء:

حضور قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ، احوال و آثار۔ فیصل آباد: چشتیہ اکادمی

چشتی، محمد اجمل، ۱۴۲۲ء/۲۰۰۱ء:

تاج العارفین۔ چشتیاں شریف: مرکز تعلیمات فریدیہ

حکیم محمد عمر:

خلاصۃ الفوائد۔ ذخیرہ شیرانی (مخزونہ) پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۶۲۷۰/۱، مکتوبہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء۔

.... خلاصۃ الفوائد، ملفوظات حضرت خواجہ نور محمدؒ مہاروی قبلہ عالم، ترجمہ محمد بشیر اختر۔ الہ آباد: مترجم (؟)

رئیس احمد (مرتب)، ۱۹۷۲ء:

خواجۂ خواجگان۔ کراچی: ادارۂ عالیہ سرکار غریب نواز اجمیری

سلیمانی، نجم الدین، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء:

مناقب المحبوبین۔ لاہور: مطبع محمدی

.... ۱۹۸۷ء: مناقب المحبوبین، مکمل اردو ترجمہ از افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی

فاروقی، نثار احمد، ۱۹۹۳ء:

چشتی تعلیمات اور عصرِ حاضر میں ان کی معنویت۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز

.... ۱۹۹۷ء: پیش لفظ، مشمولہ تذکرہ فخر جہاں دہلوی از میاں اخلاق احمد۔ لاہور: میاں اخلاق احمد اکیڈمی

فخر الدین، محمد، ۱۹۹۱ء (ا):

رقعات مرشدی (مکتوبات محمد فخر الدین چشتی دہلویؒ)، تالیف محمد عبد الصمد، ترتیب افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکادمی

.... ۱۹۹۱ (ب)

مکتوبات فخری، حصہ دوم رقعات مرشدی، تالیف محمد عبد الصمد، ترتیب افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکادمی

.... ۱۹۹۳ء۔ فخر الحسن، عربی متن مع اردو ترجمہ، مرتب افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکادمی

کلیم اللہ، ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳:

مکتوباتِ کلیمی۔ دہلی: مطبع یوسفی

.... س۔ن: تتمۂ عشرۂ کاملہ، عربی مع اردو ترجمہ۔ دہلی: آستانہ بک ڈپو

گھلوی، محمد:

خیر الاذکار، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ذخیرۂ شیرانی، شمارہ ۶۲۷۰/۲، مکتوبہ ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء

لاہوری، غلام سرور، ۱۹۹۰ء:

خزینۃ الاولیا، اردو ترجمہ۔ لاہور: مکتبہ نبویہ

مہاروی، امام بخش:

گلشن ابرار (مرتبہ ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء۔ ۱۸۶۷ء)، مخطوطہ چشتیاں شریف: کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ

.... ۱۹۵۰ء: گلشن ابرار، اردو ترجمہ بعنوان: حدیقۃ الاولیا، از صالح محمد ادیب تونسوی۔ ملتان: مطبعہ صدیقیہ

منزوی، احمد، ۱۹۹۰ء:

فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان۔ اسلام آباد: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان۔ جلد۱۱

نظام، غازی الدین خان، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء:

مناقب فخریہ۔ دہلی: مطبع احمدی

......۱۹۶۱ء: مناقب فخریہ، ترجمہ وترتیب از میر نذر علی درکا کوروی۔ کراچی: سلمان اکیڈمی

نظامی، خلیق، ۱۹۸۴ء

تاریخ مشائخ چشت۔ دہلی: ادارہ ادبیات دلی۔ جلد۵

Alam, Muzaffar, 1986;

The Crisis of Empire in Mughal Northern India: Awadh and the Punjab, 1707.1748. Delhi, Oxford Univeristy Press.

Asad, Talal. 1986:

The Idea of an Anthropology of Islam. Occasional Papers Series, Centre for Contemporary Arab Studies. Washington, D.C, Georgetown University.

Bahawalpur State Gazetteer, 1904. Compiled and Published Under the Authority of the Punab Government,

Lahore(with maps).

Berkey, Jonathan, 1992:

The Transimission of Knowledge in Medieval Cairo: A Social History of Education. Princeton, Princeton University Press.

(al) Biruni, Abu Rayhan, 2001:

Tahqiq ma lil-hind, tr. anglaise: *Alberuni's India*, 2 Vols, Edward C. Sachau, ed. New Delhi, Munshiram Monaharlal (1 ed. London, 1888).

Cisti, Iftihar, 1992:

Huzur Qibla-yi Alam hazrat hwaja Nur Muhammad Maharavi, ahwal wa manaqib. Faisalabad, Cistiyya Academy.

Cisti, Muhammad Ajmal, 1422/2001 :

Taj al-arifin. Cistiyyan Sarif, Markaz-i Talimat-i Faridiyya.

Digby, Simon, 2001:

Sufis and Soldiers in Awarangzeb's Deccan: Malfuzat-i-Naqshbandiyya, Translated from the Persian

..........2005: "Ideological and Technological Transformations of contemporary Sufism". In: M. Cooke - B. Lawrence, eds., *Muslim Networks: From Hajj to Hip Hop*. Chapel Hill, The University of North Carolina Press (Islamic Civilization and Muslim Networks Series, 2) pp. 191-207.

Ernst, Carl - Lawrence, Bruce, 2002:

Sufi Martyrs of Love: the Chishti Order in South Asia and Beyond. Palgrave Macmillan, New York.

Fahral-Din,Muhammad

..........1191a : *Ruqʿat-i mursidi*. Compiled by Muhammadʿ Abd al-Samad, Iftikhar Ahmad Cisti, ed., Faisalabad,Cistiyya Academy.

..........1991b: *Maktubat-iFahri*, Part2 of *Ruqʿat-i murside*. Compiled by Muhammadʿ Abd al-Samad, Iftikhar Ahmad Cisti,ed.,Faisalabad,Cistiyya Academy.

..........1993: *Fahral-Hasan*. Arabic text with Urdu translation,Iftikhar Ahmad Cisti,ed.,Faisalabad, Cistiyya Academy.

and with an Introduction. New Delhi, Oxford Univeristy Press.

Eaton, Richard M., 1984:

" The Political and Religious Authority of the Shrine of Baba Farid in Pakpattan, Punjab ", in : B. Metcalf, ed., Moral Conduct and Authority: *The Place of "Adab" in South Asian Islam*. Berkeley, Univeristy of California Press. pp. 333-356.

Eickelman, Dale F., 1985:

Knowledge and Power in Morocco: The Education of a Twentieth-Century Notable Princeton, Princeton University Press.

Ernst, Carl,

..........1997: *The Shambhala Guide of Sufism*. Boston, Shambhala.

..........2003: "Between Orientalism and Fundamentalism: Problematizing the Teaching of Sufism" in: B. M. Wheeler, ed., *Teaching Islam*. New York, Oxford University Press. pp. 108-123.

Faruqi, Nitar Ahmad,

..........1983: *Cisti ta'limat aur'asr-i hazar mein unki ma'nawiyat.* Lahore, Diyaal-Qur'an Publications.

..........1997: Foreword to Ahlaq Ahmad, *Tadkira-i fahr-i jahan.* Lahore,Miyan Ahlaq Ahmad Academy.

Ghalvi,Muhammad,

Hayr al-adkar, Ms.Punjab University,Sairani Collection, 6270/2,copied in 1242/1826.

Gilmartin, David, 1989:

Empire and Islam: Punjab and the Making of Pakistan. Delhi, Oxford University Press.

Hakim Muhammad 'Umar,

Hulasat al-fawa'id, Sairani Collection, Punjab University, 6270/1, copied in 1241/1825.

Hefner, Robert W. - Qasim Zaman, Muhammad, 2007:

Schooling Islam: The Culture and Politics of Modern Muslim Education. Princeton -Oxford, Princeton University Press.

Heim. Joseph Charles, 1998-2004:

"Piety and Imperial Reform: Nizamu'l -Mulk Asaf Jah I and the Fate of Islam in Eighteenth century Mughal India". *Muslim & Arab Perspectives.* Nos. 5-11, pp. 5-18.

Kalim Allah,

..........1301/1883: *Maktubat-i Kalimi.* Delhi, Matba-i Yusufi.

..........n.d: *Tilka' asra kamila,* Arabic with Urdu tr. Delhi, Astana Book Depot.

Koch, Ebba, 2006:

"The Madrasa of Ghaziud-Din Khan at Delhi" in: M. Pernau, ed., *The Delhi College: Traditional elites, the Colonial State, and Education before 1857.* New York, Oxford University Press, pp. 35-59.

Lahuri, Gulam Sarwar, 1990:

*Hazinat al-awliya'.*Tr. Urdu. Lahore, Maktaba-yi Nabawiyya.

Maharavi, Imam Bahs,

...... *Gulsan-abrar* (compiled in 1283/1866-67),Ms

Cistiyyan Sarif, Kutub Hana Cistiyya Faruqiyya.

____ 1950 :*Gulsan-i abrar*. tr.Urdu as: *Hadiqat al-ahyar*. Salih Muhammad Adib Taunsavi, ed., Multan, Matba-i Siddiqiyya.

Makdisi, George, 1981:

The Rise of Colleges: institutions of Higher Learning in Islam and the West. Edinburgh, Edinburgh University Press.

Mardin, Serif, 1989:

Religion and Social Change in Modern Turkey: the Case of Bediuzzaman Said Nursi. Albany, State Univesity of New York Press.

Monzavi,Ahmad,1990:

Fihrist-i mustarak-i mushaha-yi farsi-yi Pakistan. Islamabad, Markaz-i-Tahqiqat-i Farsi- yi Iran Va Pakistan, vol.11

Nijjar, Bakhshish Singh, 1972:

Panjab under the later Mughals, 1707-1759. Jullundur, New Academic Publishing Co.

Nizam, Gazi al-Din Han, 1315/1897:

Manaqib-i Fahriyya. Delhi, Matba-i Ahmadi.

Nizami, Haliq Ahmad, 1984:

Tarih-i masayih-i Cist. Delhi, Idara-yi Adabiyat-yi Dilli, vol.5 (1ed.1972).

Parharavi, ʻAbd al- ʻAziz, n.d.:

Gulzar-i Jamaliyya. Khaneval, Maktaba-yi Jamal.

Pernau, Margrit, 2006:

"Introduction" in: M. Pernau, ed., The Delhi *College: Traditional elites, the Colonial State, and Education before 1857*. New York, Oxford University Press, pp. 4-7.

Ra'is, Ahmad (ed.), 1972:

Hwaja-yi hwajagan. Karachi, Idara-i ʻAliya-i Sarkar-i Garib Nawaz Ajmeri.

Rizvi, Saiyid Athar Abbas, 1983:

A History of Sufism in India. New Delhi, Munshiram Manoharlal, Vol. 2.

Shahrani, M. Nazif, 1991:

"Local Knowledge of Islam and Social Discourse in Afghanistan and Turkistan in the Modern Period". In: R.L. Canfield, ed., *Turko-Persia in Historical Perspective*. Cambridge University Press, New York. pp. 161-188.

Singh, Bhagat, 1978:

Sikh Polity in the Eighteenth and Nineteenth Centuries. New Delhi, Oriental Publishers and Distributors.

Singh, Ganda, 1959:

Ahmad Shah Durrani: Father of Modern Afghanistan. London, Asia Publishing House.

Salaymani, Najm al-Din 1312/1894.

Manaqib al-mahbubayn. Lahore, Matba'-i Muhammadi.

(al-) Tahtani, Qutb al-Din al-Razi,1948:

Tahrir al-qawa'id al-mantiqiyya fi sarh al-samsiyya. Cairo,Mustafa al-Babi al-Halabi Press.
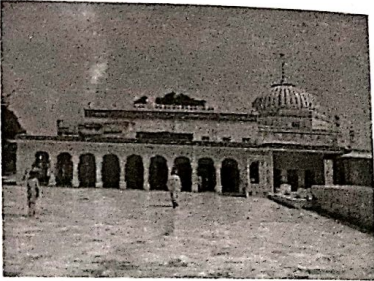
ضمیمہ ۱
حضرت نور محمد مہارویؒ کا مزار

حضرت نور محمد مہارویؒ کا مزار چشتیاں شریف، بہاول نگر میں "ملتان کے قریباً ۱۴۱ کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ حضرت نور محمد مہارویؒ اس مقام سے خاص لگاؤ رکھتے تھے، کیوں کہ یہاں حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے پوتے بابا تاج الدین سرورؒ کا مزار واقع ہے۔ جس زمین پر مزار بنایا گیا، وہ حضرت تاج الدین سرورؒ کے اخلاف نے بطور تحفہ دی تھی۔ بعد میں حضرت نور محمد مہارویؒ کے بیٹوں اور ان کے دو خلفاء...... قاضی محمد عاقلؒ اور حافظ محمد جمال ملتانیؒ نے عمارت کی بیرونی دیوار، مزار کے گنبد اور ایک

چھوٹا مجلس خانہ بنانے میں حصہ لیا[۱]۔ نواب محمد بہاول خان سوم (م:۱۸۵۲ء) نے لالٹین، مزار کا دروازہ اور گنبد کے چھجے، تمام کا تمام چاندی کا جس کی قیمت ۱۱۰۰۰ روپے کے قریب تھی، ان کو پیش کیا[۲]۔

ضمیمہ۲

۱۸ھویں، ۱۹ویں صدی عیسوی میں چشتیوں کا نیٹ ورک:

دہلی۔دکن، دہلی۔پنجاب

شاہ کلیمؒ (۱۰۵۹ھ۔۱۱۴۱ھ/ ۱۶۵۰ء۔۱۷۲۹ء) دہلی میں پیدا ہوئے اور یہاں دفن ہوئے۔ نظام الدین اورنگ آبادیؒ (۱۰۶۰؟۔۱۱۴۲ھ/۱۶۵۰ء؟۔۱۷۳۰ء) کاکوری، لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اورنگ آباد میں دفن ہوئے۔

(سلسلۂ ارادت کی) پہلی پشت

خواجہ فخر الدین (۱۱۲۵ھ۔۱۱۹۹ھ/۱۷۱۴ء؟۔۱۷۸۵ء) اورنگ آباد میں پیدا ہوئے اور دہلی میں وفات ہوئی۔

خواجہ فخر الدینؒ کے بڑے بڑے خلفاء

۱۔خواجہ نور محمد مہاروی (۱۱۴۲ھ۔۱۲۰۵ھ/۱۷۳۰ء۔۱۷۹۱ء):

چوتالہ میں پیدا ہوئے، مہار شریف میں وفات ہوئی اور چشتیاں شریف میں مدفون ہیں۔

۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: چشتی ۱۹۹۲ء، ص۔۳۳۲۔۳۳۳۔

۲۔ Bahawalpir State Gazetteer 1904,p.177

۲۔مولانا ضیاء الدین جے پوریؒ (۱۱۵۰ھ۔۱۲۲۹ھ/ ۱۷۳۸ء۔۱۸۱۴ء): دہلی میں پیدا ہوئے اور یہاں تعلیم حاصل کی، وہ جے پور میں مدفون ہیں۔

۳۔مولوی جمال الدینؒ (وفات: ۱۲۳۰ء/۱۸۲۴ء یا ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء):

لاہور میں پیدا ہوئے (؟)، انھوں نے دہلی میں تعلیم حاصل کی اور ان کا مدفن رامپور میں ہے۔

۴۔سید عماد الدین المعروف میر محمدیؒ (وفات: ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۶ء):

دہلی میں پیدا ہوئے اور یہاں تعلیم حاصل کی، ان کا مدفن نامعلوم ہے۔

۵۔مولانا حاجی لعل محمدؒ (وفات: ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء):

غالباً مدرسہ غازی الدین خان، دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ یہ دہلی میں مدفون ہیں۔

۶۔شاہ نیاز احمد بریلویؒ (۱۱۷۲ھ۔۱۲۳۹ھ/۱۷۵۹ء۔۱۸۲۴ء):

سرہند میں پیدا ہوئے۔ سرہند اور دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ وہ بریلی میں مدفون ہیں۔

۷۔میاں علی حیدرؒ (۱۱۰۱ھ۔۱۱۹۹ھ/۱۶۹۰ء۔۱۷۸۵ء):

مشہور پنجابی شاعر، چوتڑا میں پیدا ہوئے اور تعلیم موضع چوتڑا اور ملتان میں حاصل کی۔ ان کا مدفن بستی قاضیاں، چوتڑا، ضلع فیصل آباد میں ہے۔

۸۔نواب غازی الدین خان نظام (وفات: ۱۲۱۴ھ/۱۸۰۰ء):

نظام الملک آصف جاہ کے پوتے، حیدر آباد میں تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے مغل شہنشاہ عزیز الدین عالمگیر دوم (عہد حکومت: ۱۱۶۷ھ۔۱۱۷۲ھ/۱۷۵۴ء۔۱۷۵۹ء) کے وزیر کی حیثیت سے کام کیا۔ انھوں نے مہار میں پناہ حاصل کی اور کالپی میں وفات ہوئی۔

(سلسلۂ ارادت کی) دوسری پشت

خواجہ نور محمد مہارویؒ کے بڑے بڑے خلفاء

۱۔ نور محمد نارووالہؒ (۱۱۳۳ھ۔۱۲۰۳ھ/۱۷۲۱ء۔۱۷۸۹ء):

قبیلہ پرہار کے ایک فرد، حاجی پور کے رہائشی تھے۔ انھوں نے ملتان میں تعلیم حاصل کی، پھر ڈیرہ غازی میں نارووالہ کے مقام پر چلے گئے۔ ان کا مدفن حاجی پور میں ہے۔

۲۔ حافظ محمد جمال ملتانیؒ (وفات: ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۱ء):

قبیلہ اعوان کے ایک فرد۔ وہ ایک عالم، استاد اور شاعر تھے۔ ان کا مدفن ملتان میں ہے۔

۳۔ قاضی محمد عاقل فاروقیؒ (وفات: ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۴ء):

ان کا تعلق ایک تعلیم یافتہ خاندان سے تھا، وہ ایک قاضی کے بیٹے تھے، ان کا شجرۂ نسب خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ قاضی محمد عاقلؒ ریاست بہاول پور کے قاضی القضاۃ (چیف قاضی) تھے، وہ کوٹ مٹھن (ڈیرہ غازی خان) میں مدفون ہیں۔

۴۔ محمد سلیمان تونسویؒ (۱۱۸۳ھ۔۱۲۶۶ھ/۱۷۷۰ء۔۱۸۵۰ء):

وہ حضرت نور محمد مہارویؒ کے سب سے زیادہ مؤثر خلیفہ تھے۔ وہ افغان قبیلہ رحیمدانی کے ایک فرد تھے۔ وہ ایک ذہین طالب علم تھے، انھوں نے ۱۶ سال کی عمر میں ظاہری علوم کی تعلیم مکمل کر لی۔ وہ علم فقہ کے ماہر تھے۔ وہ تونسہ شریف (ضلع ڈیرہ غازی خان) میں دریائے سندھ کے کنارے مدفون ہیں۔ ان کا مدفن ایک خوبصورت سلسلۂ عمارات میں واقع ہے۔

(سلسلۂ ارادت کی) تیسری پشت

حضرت نور محمد نارووالہؒ کے خلفاء

۱۔ مولوی محمد گھلویؒ:

حضرت نارووالہؒ کی بڑی سوانح حیات کے مصنف، کتاب کا عنوان: خیر الاذکار ہے۔

۲۔ عبداللہ خانؒ:

ڈیرہ غازی خان کے ایک رہائشی۔

۳۔ نور محمد بدرا محمد پوری

حافظ محمد جمالؒ کے خلفاء

۱۔ حافظ خدا بخش ملتانی خیر پوریؒ (۱۱۵۰ھ۔۱۲۴۹ھ/۱۷۳۸ء۔۱۸۳۴ء):

وہ دہلی کی جانب روانہ ہوئے اور شاہ ولی اللہ کے مدرسہ رحیمیہ میں تعلیم حاصل کی۔

۲۔ مخدوم سید زاہد شاہؒ (وفات: ۱۲۴۵ھ/۱۸۳۰ء):

رسالہ اسرار الکمالیہ کے مصنف

۳۔ مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ (۱۲۰۶ھ۔۱۲۳۹ھ/۱۷۹۲ء۔۱۸۲۴ء)

وہ ایک کثرت نگار مصنف تھے۔ انھوں نے ۳۲ سال کی عمر پائی۔ مختلف علوم پر ۱۰۳ کتابیں لکھیں۔ ان میں سے اکثر موجود نہیں ہیں۔ وہ مغربی پرہار نزد کوٹ ادو (مظفر گڑھ) میں مدفون ہیں۔

۴۔منشی غلام حسنؒ (وفات:۱۲۶۰ھ/۱۸۴۵ء):

وہ ایک سپاہی، سکالر اور شاعر تھے۔انھوں نے اپنے شیخ حافظ محمد جمال ملتانیؒ کی سوانح حیات لکھی۔انھوں نے تصوف، اصطلاحاتِ تصوف (عربی و فارسی میں) اور فارسی، ہندی، پنجابی، سرائیکی اور اردو میں شاعری کی۔وہ ملتان میں مدفون ہیں۔

قاضی محمد عاقلؒ کے خلفاء

۱۔میاں احمد علی جیوؒ (وفات:۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء):

ان کا مدفن کوٹ مٹھن (راجن پور) میں ہے۔

۲۔میاں خدا بخشؒ (وفات:۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء):

وہ قاضی محمد عاقلؒ کے پوتے تھے اور کوٹ مٹھن میں مدفون ہیں۔

۳۔سلطان محمود (وفات:۱۲۳۸ھ/ ۱۸۲۳ء):

وہ قاضی محمد عاقلؒ کے پہلے خلیفہ تھے۔وہ خان بیلہ (رحیم یار خان) میں مدفون ہیں۔

۴۔محمد اعظم (وفات:۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء)

۵۔میاں شریف الدین (وفات:۱۲۶۷ھ۔۱۲۶۸ھ/۱۸۵۱ء۔۱۸۵۲ء):

شیدانی (رحیم یار خان) میں مدفون ہیں۔

۶۔مولانا میاں محمد شریف (وفات:۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء):

ان کا مدفن شیدانی نزد الہ آباد (بہاول پور) میں ہے۔

۷۔خواجہ گل محمد احمد پوری (وفات:۱۲۴۲ھ/۱۸۲۷ء):

احمد پور (بہاول پور) میں مدفون ہیں۔

محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء

محمد سلیمان تونسویؒ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ایک گنتی کے مطابق ۹۹۔ذیل میں بڑے بڑے خلفاء کے نام لکھے جاتے ہیں:۔

۱۔حافظ محمد علی حیدر آبادیؒ (وفات:۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء):

وہ حیدر آباد (اودھ) میں مدفون ہیں۔

۲۔حاجی نجم الدین سلیمانیؒ (وفات ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء):

وہ خواجہ تونسویؒ کے بڑے سوانح نگار تھے اور فتح پور (راجستھان) میں مدفون ہیں۔

۳۔خواجہ اللہ بخش تونسویؒ (وفات:۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء):

ان کا مدفن تونسہ شریف میں ہے۔

۴۔مولانا محمد باران خان کلاچویؒ (وفات:۱۲۵۳ھ/۱۸۳۸ء):

ان کا مدفن کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان میں ہے۔

۵۔مولانا احمد تونسویؒ (وفات:۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء):

یہ تونسہ شریف میں مدفون ہیں۔

۶۔مولانا محمد علی مکھڈیؒ (وفات:۱۲۵۲ھ/۱۸۳۷ء):

یہ مکھڈ شریف (کیمبل پور) میں مدفون ہیں۔

۷۔خواجہ شمس الدین سیالویؒ (وفات:۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء):

ان کا مدفن سیال (ضلع سرگودھا) میں ہے۔

۸۔خواجہ فیض بخش للّٰہیؒ (وفات:۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء):

یہ لِلّٰہ شریف (جہلم) میں مدفون ہیں۔

ہندوستان میں ۱۸ ویں صدی عیسوی میں چشتی صوفیہ اور کتابوں کا کلچر: پنجاب اور (حیدرآباد) دکن کا باہمی رابطہ

حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاک مکہ ابو جہل ایں چہ بوالعجبیست (۱)

(حضرت حسنؒ بصرہ سے، حضرت بلالؓ حبشہ (افریقہ) سے
اور حضرت صہیبؓ روم سے، لیکن سرزمین مکہ سے ابوجہل۔ یہ
کیسی عجیب بات ہے)

خواجہ فخر الدینؒ نے دہلی میں آنے کے بعد مذکورہ بالا فارسی شعر پڑھا یہ بتانے کے لیے کہ صدر اسلام میں مکہ میں مختلف علاقوں سے لوگ جمع ہو گئے تھے، اسی طرح پنجاب سے نئے آئے ہوئے ایک صاحب (نور محمد مہارویؒ) سے ان کی ملاقات ہوئی جیسا کہ انھوں نے کہا:۔

''کہاں دلی اور کہاں پاکپتن، اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیں کہ مجھے دکن سے بلایا گیا اور تم (نور محمد مہارویؒ) کو پاکپتن سے''(۲)۔ انھوں (فخر دہلویؒ) نے یہ فکر انگیز بات کہی۔

فخر الدین اورنگ آبادیؒ (۱۱۲۶-۱۱۹۹ھ/ ۱۷۱۷ء-۱۷۸۵ء) [اس کے

بعد ان کو مولانا فخر الدینؒ یا صرف مولانا صاحبؒ] کے نام سے لکھا جائے گا، نے اس ڈرامائی ملاقات پر تعجب کا اظہار کیا جو ان کی ایک زبردست نوجوان (بہبل) جو پنجاب کے دیہاتی علاقے سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی آیا تھا۔ اس کو دہلی میں مولانا صاحبؒ سے سب سے پہلے مرید ہونا تھا۔ مولانا صاحبؒ نے ان کا خاندانی نام ''بہبل'' سے نور محمد (۱۱۴۲ء-۱۲۰۵ھ/ و۱۷۳۰ء-۱۷۹۰ء) سے بدل دیا [ان کو اس کے بعد نور محمد مہارویؒ، خواجہ مہارویؒ یا قبلہ عالمؒ لکھا جائے گا]۔ اٹھارہ سال کے بعد ۱۱۸۳ء-۱۱۸۴ء/ ۱۷۶۹ء-۱۷۷۰ء میں انھوں نے پنجاب میں مولاناؒ کے خلیفہ کا منصب حاصل کر لیا۔

مولانا صاحبؒ نے اورنگ آباد، ''دکن'' سے دہلی روانگی کو بیان کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ ان کو روحانی طور پر اشارہ ہوا کہ وہ اورنگ آباد میں اپنی صوفی خانقاہ کو چھوڑ دیں۔ شاہ فخر الدینؒ کا ایک بیٹا قطب الدینؒ نامی تھا جس کو انھوں نے اورنگ آباد میں اپنی بہن کی نگرانی میں چھوڑا۔ یہ بیٹا ان کا جانشین ہوا اور اس نے اورنگ آباد میں خانقاہ کی نگرانی اور نگہداشت اپنے ذمے لی(۳)۔ مولانا صاحبؒ ۱۱۶۴ھ/ ۱۷۵۱ء میں دہلی میں آئے(۴)۔ جیسا کہ تاریخی واقعات میں لکھا ہے، شاہ کلیم اللہؒ (۱۰۶۰ھ-۱۱۴۲ھ/ ۱۶۵۰ء-۱۷۲۹ء) جو کہ مولانا صاحبؒ کے والد ماجد، نظام الدین اورنگ آبادیؒ (۱۰۶۰ھ؟-۱۱۴۲ھ/ ۱۶۵۰ء-۱۷۳۰ء) کے مرشد تھے، نے مولانا صاحبؒ کی پیدائش کے وقت اس ہجرت کی پیش گوئی کی تھی۔ مولانا صاحبؒ کی ولادت اورنگ آباد میں ہوئی، وہیں بڑھے ہوئے، ان کے والد نے ان کو تعلیم دی اور تربیت بھی کی(۵)۔ ان کے والد کی وفات (۱۱۴۲ھ/ ۱۷۳۰ء) کے وقت مولانا صاحبؒ کی عمر ۱۶ سال تھی۔

پھر انھوں نے اپنے والد کی قائم کی ہوئی خانقاہ کے لیے مرشد کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اس کے برعکس خواجہ مہارویؒ مغلیہ عہد کے صوبہ پنجاب میں دیہاتی اساس رکھتے تھے۔ ان کے والد (ہندال) کھرل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو کہ راجپوت پنوار قبیلے کی ایک شاخ ہے۔ ان کا پیشہ کاشت کاری اور مویشی پالنا تھا۔

اس پس منظر میں مولانا صاحبؒ کے دہلی میں آنے کا بیانیہ شروع ہوتا ہے اور شہر کے امراء (اشراف) اور صوفیہ نے ان کا استقبال کیا۔ مولانا صاحبؒ نے اپنے والد کی نگرانی میں علوم اسلامیہ کے مختلف شعبوں میں شان دار تعلیم حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے حربی فنون میں بھی تربیت حاصل کی۔ وہ نواب نظام الدولہ ناصر جنگ کی فوج کے ساتھ مل کر میدان جنگ میں بھی لڑے۔ ان کی دکن کے اعلیٰ ہند اسلامی کلچر سے صورت گری ہوئی تھی، اس کے علاوہ وہ اورنگ آباد کی چشتی خانقاہ کے باہمت اور ہر دلعزیز مرشد تھے۔

مولانا صاحبؒ دہلی کے لیے اجنبی نہیں تھے۔ ان کے والد کے مرشد شاہ کلیم اللہؒ کے بیٹوں نے گرم جوشی سے ان کو خوش آمدید کہا اور انھوں نے ان کے ساتھ تین دن کا قیام کیا[۲]۔ پھر انھوں نے کٹرہ چیلیل میں عارضی طور پر ایک رہائش گاہ کرائے پر لے لی، پھر وہ مدرسہ غازی الدین خاں میں چلے گئے اور وہاں اپنی درگاہ قائم کی۔

دوسری طرف خواجہ مہارویؒ مولاناؒ سے چند ماہ پہلے دہلی میں آئے۔ ان کا پس منظر پنجاب کے معمولی زراعتی سماجی کلچر کے ساتھ تھا۔ انھوں نے علوم اسلامیہ کی کچھ تربیت حاصل کی ہوئی تھی اور عمر کے ابتدائی حصے میں قرآن مجید بھی حفظ کیا ہوا تھا۔ خواجہ

مہارویؒ کی اس وقت صورت حال بہت عجیب معلوم ہوتی تھی۔ ان کے ایک سوانح نگار کے الفاظ ہیں:-

''ایک روز قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ میں جب ابتدائی زمانے میں دہلی میں پڑھتا تھا اور رات کو مدرسہ (غازی الدین خان) کے حوض کے کنارے سو جاتا تھا تو حافظ محمد اصلح ساکن بھیرہ خوشاب (جنوبی پنجاب میں) بھی اپنی چار پائی وہاں ڈال کر سو رہتا تھا اور کبھی کبھی اپنے پس خوردہ میں سے مجھے روٹی کا ٹکڑا دے دیا کرتا۔ میں ان ایام میں بہت متفکر اور پریشان رہنے لگا۔ کبھی تو دکن جانے کا ارادہ کرتا تھا اور کبھی حاجیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ جانے کا عزم کرتا تھا۔ ایک رات حافظ مذکور نے دریافت کیا کہ تم افسردہ رہنے لگے ہو۔ میں نے کہا کہ مشفق و مہربان استاد [میاں برخوردار جی] اپنے آبائی گھر چلے گئے ہیں۔ تحصیل علم پوری نہیں ہو رہی۔ اس وجہ سے اضطراب میں ہوں۔ حافظ موصوف نے کہا کہ چند روز ہوئے ہیں یہاں دہلی میں ایک عالم بزرگ پیرزادہ دکن سے تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں جس کسی نے بھی علم پڑھنا ہو میرے ہاں چلا آئے۔ میں نے یہ بات ذہن میں رکھ لی۔ قلندر بخش نامی شخص جو ہمیشہ میرے پاس کتاب کافیہ کا تکرار کرتا تھا۔ اس

سے میں نے پوچھا کہ تمہارے نان ونفقہ کی کیا صورت ہے تو
اس نے بتلایا کہ ایک فاضل پیرزادہ دکن سے یہاں آیا ہے،
وہ مجھے کھانا فراہم کرتا ہے۔[۷]

یہاں پر اس بات کا بیان مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا صاحبؒ کی تشریف آوری سے چند ماہ پہلے خواجہ مہارویؒ مدرسہ غازی الدین خان میں بڑے آرام سے رہ رہے تھے، ان کو مشفق میاں برخوردار جی کی سرپرستی حاصل تھی۔ یہ ایک چشتی صوفی تھے، ان کو پانچ روپے یومیہ الاؤنس ملتا تھا (ذریعہ نامعلوم)۔ یہ انتظام اس وقت بگڑ گیا جب میاں برخوردار جی اپنے آبائی وطن چلے گئے۔ مدرسہ غازی الدین خان کا سرپرست نامعلوم ہے۔ یہ مدرسہ کسی صوفی کے مزار کے ساتھ متصل نہیں تھا اور وہاں کھانے (لنگر) کا انتظام نہیں تھا۔ اس وجہ سے میاں برخوردار جی اور خواجہ مہارویؒ اپنا کھانا خود پکاتے تھے[۸]۔

(ا)

اس حصے میں ہماری توجہ کا مرکز یہ ہوگا کہ جنوبی پنجاب کی صوفیانہ خانقاہوں میں کتابوں کے کلچر کا سراغ لگایا جائے۔ اس حوالے سے دو نکات پر توجہ دی جائے گی۔

(ا) مولانا صاحبؒ کے اس رول کو دیکھا جائے جو انھوں نے خواجہ مہارویؒ کو کتابوں سے متعارف کروایا اور اس دلچسپی کو ان اٹھارہ سالوں (۱۱۶۴ھ-۱۱۸۳ھ/ ۱۷۵۱ء-۱۷۶۹ء) میں وسعت دی جب وہ دہلی میں مقیم رہے اور اسی طرح ان کے تین خلفاء میں اس جذبے کو ابھارا جب وہ وقفوں کے ساتھ دہلی جایا کرتے تھے۔

(ب) جب (۱۱۸۳ھ-۱۱۸۴/ ۱۷۶۹ء-۱۷۷۰ء) خواجہ مہارویؒ دہلی سے مولانا صاحبؒ کے قائم مقام بن کر مہار شریف (جنوبی پنجاب میں) واپس آئے، تو ان کتابوں کا سراغ لگایا جائے جن کو وہ اجتماعی اجلاسوں یا انفرادی مریدوں کے ساتھ ملاقات پر پڑھتے تھے اور ان پر بحث ہوتی تھی۔

اس مطالعہ کے بڑے بڑے مقاصد یہ ہیں کہ [۱] پنجابی صوفیہ کی دہلی سے لے کر پنجاب تک علمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے جو مولانا فخر الدینؒ اور نور محمد مہارویؒ کی زندگی میں وقوع پذیر ہوئیں[۲]۔ ان مروجہ کتابوں کا نمونہ پیش کیا جائے جو ان کو دستیاب تھیں اور وہ ان کو پڑھتے تھے اور زیر بحث لاتے تھے۔

ذرائع/وسائل:

(یہاں پر ڈاکٹر صاحبہ نے چند انگریزی کتابوں کے عنوانات وغیرہ دیے ہیں)...... تاہم ہمارے اس مطالعہ/تحقیق کے لیے Nile Green کے دو مضامین مفید ہیں۔

"The uses of books in a late Mughal takiyya:Persianate knowledge between person and paper", *Modern Asian studeis* 44, 2 (2010) 241-265; and (ii) "Emerging Approaches to the Sufi Traditions of South Asia: Between Texts, Territories and the Transcendent,"*South Asia Research*, 24 (2004)

123-148.

چند تاریخی کتب کے علاوہ، اس مطالعہ میں استعمال ہونے والی بہت سی کتابیں ملفوظات کے زمرے میں آتی ہیں یہ دو شیوخ مولانا صاحبؒ اور خواجہ مہارویؒ کے خلفاء نے لکھی ہیں۔ مولانا صاحبؒ خواجہ مہارویؒ اور ان کے خلفاء کے ملفوظات کو ایک نظم کے تحت نہیں لکھا گیا نہ ہی ان کے اپنے مرشد/شیوخ کے ملفوظات کو تاریخ وار تحریر کیا گیا ہے[۹]۔ ان تحریروں میں سے کوئی بھی خواجہ مہارویؒ اور ان کے خلفاء کے روز بروز اجلاسوں کے اعتبار سے نہیں لکھا گیا ہے۔ ان کا مشکل سے فوائد الفواد کے ساتھ مقابلہ کیا جاسکتا ہے جس کو امیر حسن سجزی دہلوی (۶۵۱۔ ۷۳۷ھ/ ۱۲۵۳۔ ۱۳۲۵ء) نے اپنے عظیم چشتی مرشد (نظام الدین اولیاءؒ، م: ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) کے بارے میں لکھا[۱۰]۔ تاہم یہ ملفوظات قابل قدر اور اہم وسائل ہیں جو ان کے اپنے اپنے مرشدوں کی ذاتی زندگی کی جھلکیاں دکھاتے ہیں۔ ان کی روحانی، علمی اور ذاتی جہات/ پہلوؤں کی تصویر کشی کرتے ہیں اور ان کے مریدوں اور نائبین کی قریب سے تصویر کھینچتے ہیں۔

اس مقالے میں جس لٹریچر کا مطالعہ کیا گیا ہے، اس کی بنیاد زبانی ابلاغ پر ہے جس کو مریدوں نے اپنی مرضی سے لکھا۔ خواجہ مہارویؒ کے سوانح نگار، عمر سیت پوری نے لکھا کہ اس کی کتاب کی بنیاد اس پر ہے جو کچھ اس نے اپنے مرشد سے سنا[۱۱]۔ مزید برآں منظر دیہاتی پنجاب کا ہے اور ملفوظات کی بنیاد مرشد اور مریدوں کے سماعی ابلاغ پر ہے جس کو عام طور پر دری فارسی میں لکھا گیا (دری فارسی افغانستان اور شمال میں اس

کے سرحدی علاقوں میں بولی جاتی ہے)۔ اس کی استثنائی صورت غازی الدین خان نظام کی کتاب مناقب فخریہ کی ہے۔

غالب امکان ہے کہ مجالس میں گفتگو پنجابی زبان میں ہوتی تھی۔ ہندوستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں، شاہ کلیم اللہؒ نے مریدوں کی تربیت کے لیے مشورہ دیا تھا، ''اگر مرید عجمی ہو تو مرشد کو چاہیے کہ اس کو اس کی زبان میں تلقین کرے''[۱۲]۔ یہ بات فرض کی جاتی ہے کہ جو ملاقاتی دہلی سے مہار میں آتے تھے، ان کی ابلاغ کی زبان غالباً اردو تھی۔ ملفوظات کے لکھنے والوں کو کسی مرشد کے ملفوظات لکھنے کا کام تفویض نہیں کیا جاتا تھا اور اس قسم کا لٹریچر اس درجے میں نہیں آتا جس سے صوفیہ کی اپنی نمائندگی ہوتی ہو۔ تاہم ملفوظاتی ادب قابل قدر ہے کہ اس کے ذریعے سے دینی/ روحانی اور ثقافتی جہات (پہلوؤں) کا مطالعہ کیا جائے بشمول ۱۸ویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں دہلی اور جنوبی جنوب کے سماجی و اقتصادی حالات کا مطالعہ کیا جائے۔ مخصوص ملفوظات کی تفصیل اور ان کے مصنفین کے مختصر سوانحی حالات کے لیے ضمیمہ ا کا مطالعہ کریں۔

(۲)

مولانا صاحبؒ بحیثیت مرشد اور سکالر: ایک تعارف:

کیا چشتی صوفیہ نے علمی اضافہ بھی کیا؟ یہ سوال خواجہ مہارویؒ سے (دہلی میں) کیا گیا کہ کیا ماضی میں نامور صوفیہ کی شاندار علمی روایت کو بعد میں آنے والے چشتی صوفیہ نے قائم رکھا؟ درج ذیل بیان اس معاملے پر روشنی ڈالتا ہے:

میاں محمد اصلح حافظ ساکن بھیرہ خوشاب (پنجاب)[۱۳]۔ جو کہ حضرت مہارویؒ کے دوست تھے، حضرت قبلہ [نور محمدؒ] کے ساتھی تھے، انھوں نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا کہ پہلے صوفیہ نے سلوک پر کتابیں لکھی ہیں جیسے کہ عوارف المعارف [از شہاب الدین سہروردی، م:۶۳۱ھ/۱۲۳۴ء]، اور کشف المحجوب [تصنیف علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخشؒ، م: ۴۶۳ھ/۱۰۷۱ء]، جب حضرت خواجہ بزرگ [معین الدین چشتی اجمیریؒ، م: ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۷ء] اور حضرت قطب صاحب [قطب الدین بختیار کاکیؒ، م: ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء)۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ خواجہ بزرگ علیہ الرحمہ کو اتنا استغراق تھا کہ ان کو اذان کی خبر بھی نہ ہوتی تھی، لیکن جب حضرت سلطان التارکین [شیخ حمید الدین ناگوریؒ، م: ۶۷۳ھ/۱۲۷۴ء، مصنف لوامع] ان کے کان میں اونچی آواز میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ (نماز، نماز) پکارتے، تو وہ اس وقت ادائے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور حضرت قطب صاحبؒ بھی اس قدر مستغرق تھے کہ آٹھ روز عام لوگوں سے ملنا جلنا موقوف تھا، نماز کے وقت باہر تشریف لا کر امامت خود فرماتے۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی حجرہ میں چلے جاتے اور (عبادت میں) مشغول ہو جاتے[۱۴]۔

اوپر کا حوالہ ظاہر کرتا ہے کہ مجلس کے شرکاء صوفیانہ کلاسیکی کتب سے واقف تھے اور اپنی مشغولیت کی پیچیدگیوں سے بھی باخبر تھے، تاہم جواب دینے والے محمد اصلح، مولانا صاحبؒ کے دوست نے شاہ کلیم اللہؒ کی علمی خدمات کا ذکر نہ کیا۔ یہ مولانا صاحبؒ کے والد شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ (م:۱۱۴۲ھ/۱۷۳۰ء) کے مرشد تھے۔ وہ کثیر التصانیف رکھنے والے تھے، ان کی تیس کتابوں میں سے نو ہم تک پہنچی ہیں[۱۵]۔ حضرت

مولانا صاحبؒ نے اپنی بیاض کے علاوہ چار کتابیں لکھیں[۱۶] تاہم ان کی بیاض کو ان کے ذاتی نمائندگی کے درجے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ ان کی ذاتی ڈائری تھی جس میں مولانا صاحبؒ نے ان روحانی تجربات کو بیان کیا جو باطنی مسائل قسم کے تھے۔ اس کو مولانا صاحبؒ نے اپنے خاص مرید خواجہ مہارویؒ کو مطالعہ کے لیے دی جس سے مرشد اور مرید کا قرب ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا صاحبؒ نے خواجہ نور محمدؒ کو اپنی ذاتی مخفی ڈائری (بیاض) پڑھنے کے لیے دی، جس میں انھوں نے عجائباتِ کبیرہ، اشغال کثیرہ اور احوالِ واردہ کو لکھا ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ اورنگ آباد سے دہلی اور وہاں سے اجمیر تک کے سفر کے دوران کیا کیا وقوع پذیر ہوا۔ اس میں انھوں نے تمام ورود (کشف کے حالات) تفصیل کے ساتھ لکھے ہوئے تھے۔ وہ اس بیاض کو لوگوں سے چھپا کر رکھتے تھے، لیکن اس بندہ نے اس ڈائری کو بغور پڑھا تھا کیونکہ انھوں نے مجھے از راہ کرم اس کو پڑھنے کی اجازت دی تھی[۱۷]۔

مولانا صاحبؒ کی علوم اسلامیہ میں مضبوط تربیت فخر الحسن[۱۸] میں جھلکتی ہے۔ اس میں انھوں نے شاہ ولی اللہ (۱۱۱۵ھ۔۱۱۷۶ھ)/ ۱۷۰۳ء۔۱۷۶۲ء) کو چیلنج کیا تھا جو مولانا صاحبؒ کے ہمعصر تھے۔ وہ بلند پایہ صوفی / عالم اور بہت بڑے سکالر تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ''الانتباہ''[۱۹] میں دلیل دی تھی کہ خواجہ حسن بصریؒ (۲۱۔۱۱۰/ ۶۴۲۔۷۲۸) اتنے کم عمر تھے کہ وہ حضرت علیؓ سے رسمی اجازت لیتے کہ روحانی چشتی صوفی سلسلہ خلیفہ راشد حضرت علیؓ (۲۴۔۴۱/ ۵۹۸۔۶۶۱) سے جاری ہو۔

مولانا صاحبؒ نے قابل قبول طریقے سے شاہ ولی اللہ کی دلیل کا رد پیش کیا۔ مولانا صاحبؒ کی دلیل اور نتیجے کی دہلی کے علمی اشرافیہ نے تعریف کی [۲۰]۔ یہ مولانا صاحبؒ کا ایسا عہد آفرین کارنامہ تھا جس نے ثابت کیا کہ وہ نہ صرف صاحبِ بصیرت صوفی ہیں جنہوں نے اورنگ آباد میں اپنے والد کے مزار کو چھوڑا بلکہ وہ ایک بہت بڑے محقق اور سکالر ہیں۔

مولا صاحبؒ کی خواجہ مہارویؒ سے ملاقات ان کو خوش کر دینے والی تھی جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں دیے گئے شعر میں بیان کیا گیا ہے۔ انھوں نے اس نوجوان اور تجسس والے پنجابی کو اپنی شفقت میں لے لیا تاکہ اس کو دہلی کے نئے مضافات/نواح کے ساتھ یکجا کر دیں۔ پہلا قدم جو مولانا فخر الدینؒ نے اٹھایا یہ تھا کہ ان کو بڑے بڑے صوفیہ کے مزارات کی زیارت کے لیے ساتھ رکھا۔ پہلی زیارت مہرولی میں خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار کی تھی جہاں ان کو خلعت بیعت سے سرفراز فرمایا۔

بڑے بڑے صوفیہ کے مزارات کی زیارت کے لیے سفر:

مولانا صاحبؒ نے خواجہ مہارویؒ کو شرفِ بیعت سے سرفراز کیا اور ان کو نئے نام نور محمد کے ساتھ اپنا مرید کر لیا۔ مرشد اور مرید نے دہلی اور اس کے نواح میں مدفون بڑے بڑے صوفیہ کے مزارت کی زیارت کی تاکہ ان سے فیوض و برکات حاصل کریں۔ پھر انھوں نے دہلی سے پاکپتن کا مشکل سفر اختیار کیا۔ یہ مولانا صاحبؒ کی بابا فریدالدین گنج شکرؒ (م: ۶۶۳ھ/۱۲۶۵ء) کے مزار کی پہلی زیارت تھی [۲۱]۔ انھوں نے

زیارت کے لیے پیدل چلنے کی مضبوط روایت کی پیروی کی جیسا کہ اسلامی تاریخ میں شہنشاہ اور عوام اختیار کرتے تھے۔ دہلی سے پاکپتن کا سینکڑوں میل کا سفر جسمانی طور پر تھکا دینے والا ثابت ہوا ہوگا، لیکن اس نے خواجہ مہارویؒ کو مولانا صاحبؒ کے زیادہ قریبی تعلق قائم کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس سفر کی ایک خاص اچھی بات یہ تھی کہ خواجہ مہارویؒ اس طویل اور مشکل سفر میں مولانا صاحبؒ کی کتابیں اپنے سر پر اٹھائے رہے۔ مولانا کے سوانح نگار، عمر سیت پوری، نے اس پیدل سفر کا منظر ان الفاظ میں بیان کیا:

> ''مولوی صاحب قبلہ (مولانا) نے ۱۴ ذوالقعدہ ۱۱۶۳ھ/ ۱۵۔ اکتوبر ۱۷۵۰ء کو پاکپتن جانے کا فیصلہ کیا۔۔۔ وہ یکم محرم ۱۱۶۴ھ/ ۳۰۔ نومبر ۱۷۵۰ء کو پہلی محرم کی صبح کو پا برہنہ (ننگے پاؤں) پاکپتن پہنچے......'' [۲۲]۔
>
> حضرت مولانا صاحب آگےؒ کی طرف تیز چلتے تھے اور بہت سا فاصلہ طے کر لیتے تھے جب کہ میں (خواجہ مہارویؒ) آپ کی کتابیں اٹھائے ہوئے تھا [۲۲۔الف]۔

پاکپتن پہنچنے کے بعد مزار کے نگران (دیوان) نے مولانا صاحبؒ سے استدعا کی کہ اس مزار کے زائرین کے لیے سادہ اور آسان زبان میں ان بنیادی عقائد اور اعمال کو لکھ دیں جو امام اعظم ابوحنیفہ (۸۰ھ۔۱۵۰ھ/۷۰۰ء۔۷۶۷ء) نے اہل سنت کے لیے لکھے تھے [۲۳]۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے مزار کے نگران کے لیے کتاب مکمل

کی اور اس کا عنوان یہ رکھا: نظام العقائد المعروف بہ عقائدِ نظامیہ۔

مدت قیام:

حضرت بابا فریدؒ کے مزار پر یکم محرم ۱۱۶۴ھ/ ۱۰۔نومبر ۱۷۵۰ء کو پہنچے اور دہلی کے لیے ۱۳۔صفر ۱۱۶۴ھ/ یکم جنوری ۱۷۵۱ء کو روانہ ہوئے۔ اس طرح دو ماہ اور گیارہ دن مزار پر گزارے[۲۴]۔

چونکہ (خواجہ) نور محمدؒ کا آبائی گاؤں (مہار) مزار سے [کچھ فاصلہ پر] پر تھا، اس لیے مولانا صاحبؒ نے ان کو اجازت دی کہ وہ گاؤں جا کر اپنے خاندان سے مل آئیں جب کہ وہ خود مزار پر قیام پذیر رہے۔ جب انھوں نے اپنے آبائی گاؤں کی طرف سفر شروع کیا تو (خواجہ) نور محمدؒ نے اپنے معمول کے پنجابی لباس سے مختلف لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ ایک ہندوستانی شخص کے لباس میں ملبوس تھے، یعنی انھوں نے چست پاجامہ پہنا ہوا تھا اور کلاہ چہار ترکی[۲۵] (چار کونے والی ٹوپی) ان کے سر پر تھی اور ان کے کندھے پر مٹی کا آفتابہ (لوٹا) رکھا تھا[۲۶]۔ یہ لباس دہلی کی ثقافت کا منظر پیش کر رہا تھا، تاہم جب ان کو خلافت سے سرفراز کیا گیا تو مولانا صاحبؒ نے اپنے وصایا میں یہ ہدایت بھی کی کہ وہ ہندوستانی لباس (پاجامہ اور عبا) نہ پہنا کریں جیسا کہ خواجہ مہارویؒ کے پوتے (امام بخش) نے لکھا ہے[۲۷]۔

(۳)

کتابوں کے لیے مولانا صاحبؒ کا شوق، خواجہ مہارویؒ اور ان کے خلفاء پر اثر:

مولانا فخر الدینؒ کی خواجہ مہارویؒ اور ان کے تین خلفاء کی علمی اور

روحانی تربیت کرنے میں نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں کتابوں کی محبت کا جذبہ دل نشین کر دیا اور ان کی جمع آوری میں فخر محسوس کرنا۔ خواجہ مہارویؒ اور ان کے خلفاء نے بار بار اس کا ذکر کیا کہ مولانا صاحبؒ کے پاس بہت گراں قدر ذخیرۂ کتب تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ خواجہ مہارویؒ دہلی سے پاکپتن تک مولانا صاحبؒ کی کتابیں اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ باباجی فریدؒ کے مزار پر مولاناؒ کے اردگرد لوگوں کا ہجوم رہتا تھا، لیکن وہ کتاب لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ یہ تفاصیل اس لیے دی جا رہی ہیں کیونکہ اس سفر نے خواجہ مہارویؒ پر گہرا اثر چھوڑا، اس کا ذکر ملفوظات میں ملتا ہے۔ اس طرح مولانا صاحبؒ کے مرید اور سوانح نگار نور الدین فخری تفصیل بیان کرتے ہیں:۔

مولاناؒ کی ملکیت ان اشیاء پر مشتمل ہے: دو سفید لباس کے جوڑے، ایک سفید پٹکا، اسی رنگ کی ایک دستار اور ایک جُبّہ اور کچھ نہیں، لیکن خاص کتب جن کو حضرت بہت قیمتی سمجھتے، وہ یقیناً ان کو خرید لیتے خواہ ان کی خرید کے لیے ان کو قرض بھی لینا پڑتا۔ اللہ کے فضل و کرم سے، ان کی ایک بڑی لائبریری ہے[۲۸]۔ فخری نے اپنے مرشد کا دہلی میں سادہ لباس دیکھا بنسبت اس لباس کے جو وہ اورنگ آباد میں پہنتے تھے یعنی اورنگ آباد میں اُن کا لباس بہت مختلف تھا۔

اورنگ آباد میں "حضرت مولانا صاحبؒ ایک خاص قسم کا لباس پہنتے تھے۔ یہ سونے کے دھاگے (زرتار) سے بنا ہوتا تھا، ریشۂ دستار عمومی سے بڑا، لمبا کمر بند جس کے سروں پر سونے کا کام کیا ہوتا۔ کوئی ایسا لباس پہننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ دہلی کا سفر

اختیار کرتے وقت انھوں نے ایک جبۂ درویش پہنا اور ایک زاہدانہ ٹوپی سر پر رکھی(۲۹)۔

مولاناؒ کے سوانح نگار ان کے کتابوں کو خریدنے اور ان کو تحفۃً دینے کی تعریف کرتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کی مشکلات کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ عمر سیت پوری نے بیان کیا:

ایک روز قبلہ عالمؒ نے یاد کیا کہ مولانا صاحبؒ کی ذات پاک میں کیا کمال تھا کہ جس طرح دہلی تشریف لائے اسی طور پر پاک وصاف دنیا سے رحلت فرما گئے، نہ کسی سے لینا ٹھہرا اور نہ کسی کا دینا۔ اپنے بعد یہ جھگڑا ہی نہ چھوڑا۔ مثال کے طور پر اپنی علالت کے دوران ان کو مبلغ دو ہزار روپے کی ہنڈی دکن سے وصول ہوئی۔ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ نذر کس نے بھیجی، آپ نے اسی وقت بارہ سو روپیہ قرض ادا کیا جو لنگر کے خرچ میں آیا تھا اور باقی آٹھ سو روپے مستحق غریبوں میں تقسیم کر دیے۔ کتابوں کے علاوہ انھوں نے اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑا(۳۰)۔

مولانا صاحبؒ کے مرید اور سوانح نگار نور الدین حسینی نے دہلی میں مولاناؒ کی درگاہ پر بے طلب فتوح کے عشرِ عشیر کا مقابلہ اورنگ آباد میں ان کے والد کے زمانے کے ساتھ کیا(۳۱)۔ وہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

ایک اور مجلس میں مولانا صاحبؒ نے نور الدین حسینی کو رازدارانہ طریقے سے بتایا کہ ''انھوں نے کسی سے پچاس روپے وصول کیے۔ اس میں سے انھوں نے پچیس روپے بقال کو ادا کر دیے بیس روپے سقہ کو دے دیے اور پانچ روپے اس کو ادا کر دیے جس سے قرض لیا تھا۔ مولانا صاحبؒ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ان ایام میں انہیں جو

کچھ وصول ہوتا تھا، وہ اکثر قرض خواہوں کو ادا کر دیتے تھے کیوں کہ انہیں احساس تھا کہ جب قرض بڑھتا جاتا ہے تو ان کے لیے اس کو یک مشت ادا کرنا مشکل ہوتا(۳۲)۔

اب پھر مولانا صاحبؒ کے کتابیں پڑھنے اور جمع کرنے کی طرف لوٹتے ہوئے، (ان کے) سوانح نگاروں نے مفصل حالات بیان کیے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کو بیان کیا جاتا ہے:-

مولاناؒ قرآن مجید کے اس نسخے کی تلاش میں تھے جس کو شاہ کلیم اللہؒ ہمیشہ پڑھتے تھے۔ اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس خاص نسخے کے حواشی پر شاہ کلیم اللہؒ نے اپنی تفسیر قرآن لکھی ہوئی تھی۔ ''ایک روز جب کہ آپ سواری پر تھے (شاید گھوڑے پر سوار تھے)، مولانا صاحبؒ نے ایک بوڑھی عورت کو دیکھا جس نے قرآن مجید جیسی کوئی چیز اپنے بازو کے نیچے پکڑی ہوئی تھی۔ استفسار پر اس عورت نے بتایا کہ یہ قرآن مجید ہے۔ مولانا صاحبؒ نے اس کو خرید لیا اور پھر ان کو معلوم ہوا کہ یہ وہی نسخہ ہے جس کی وہ تلاش کر رہے تھے(۳۳)۔

خواجہ مہارویؒ نے بھی مرشد کے نقوش قدم کی پیروی کی:

ایک روز قبلہ عالم (خواجہ مہارویؒ) شاہ کلیم اللہؒ کے مزار کی زیارت کے لیے گئے۔ جب وہ مزار سے باہر آئے، تو انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس کو وہ بیچنا چاہتا تھا۔ قبلہ عالمؒ نے اس کو دو روپے میں خرید لیا۔ اس (جلد میں) رسالہ کشکول اور مرقع شریف شاہ کلیم اللہؒ کی دو کتابیں تھیں۔ وہ دونوں خرید کی ہوئی کتابیں مولانا صاحبؒ کے پاس لے گئے اور سب کہانی بیان کر دی۔ مولانا صاحبؒ نے

شاہ کلیم اللہؒ کے دو (اعلیٰ) تحفے حاصل کرنے پر ان کو مبارک باد دی (۳۴)۔

مولاناؒ کا انتقال:

مولانا صاحبؒ نے ۲۷۔ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ/ ۷۔ مئی ۱۷۸۵ء کو ۷۳ برس کی عمر میں دہلی میں انتقال کیا اور ان کو مہرولی میں دفن کیا گیا جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ خواجہ مہارویؒ دہلی نہیں گئے کیوں کہ مولانا صاحبؒ اپنے وصایا کی پہلی وصیت میں ایسا کہا تھا: ''جب تم میری وفات کی خبر سنو، تو دہلی نہ آنا''(۳۵)۔

خواجہ مہارویؒ غمزدہ تھے۔ ان کے سوانح نگار خواجہ مہارویؒ کے الفاظ بیان کرتے ہیں۔ ایک رات خواجہ مہارویؒ نے کہا کہ ان دنوں مجھ پر اس قدر غم اور تکلیف طاری ہے کہ چاہتا ہوں کسی ویرانے کی سمت نکل جاؤں جہاں نہ کوئی مجھے دیکھے اور نہ میں کسی کو دیکھوں (۳۶)۔

تاہم خواجہ نور محمدؒ کے کم عمر خلیفہ، محمد سلیمان تونسویؒ (اس وقت ۱۸ سال کے تھے)، وہ خواجہ مہارویؒ کی ہدایت پر مولانا صاحبؒ سے ملاقات کرنے کے لیے دہلی کی جانب روانہ ہوئے، کیوں کہ انھوں نے کبھی مولاناؒ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ خواجہ تونسویؒ اوچ شریف (بہاول پور سے ۷۵ کلومیٹر دور، جنوبی پنجاب) سے ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء میں مولانا صاحبؒ سے ملاقات کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ دہلی جاتے ہوئے راستے میں انھوں نے اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتیؒ (م: ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء) کے مزار کی زیارت کی۔ دلی پہنچنے پر انہیں یہ معلوم کر کے ناامیدی ہوئی کہ مولانا صاحبؒ کا تین روز پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ وہ مہرولی کی جانب جہاں حضرت مولانا مدفون ہیں۔

یہ مقام بہت بڑے چشتی صوفی خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (م: ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء) کے مقبرہ کے بہت قریب ہے۔ خواجہ تونسویؒ نے مولانا صاحبؒ کی قبر کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں چالیس روز تک اعتکاف کیا (۳۷)۔

(۴)

خواجہ مہارویؒ کے خلفاء:

خواجہ مہاروی کے خلفاء کے مختصر سوانحی حالات حوالے کے لیے یہاں پر دیے جاتے ہیں:

۱۔ نور محمد نارووالہؒ (۱۱۳۳ھ۔ ۱۲۰۳ھ/ ۱۷۲۱ء۔ ۱۷۸۹ء)(۳۸)۔ ان کا تعلق بڈیار قبیلے سے تھا۔ ان کی حاجی پور میں رہائش تھی۔ انھوں نے ملتان میں تعلیم حاصل کی، پھر وہ ڈیرہ غازی خان کے مقام نارووالہ میں منتقل ہو گئے۔ حاجی پور میں میں مدفون ہیں۔

۲۔ حافظ محمد جمال ملتانیؒ (م: ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۱ء)، ان کا تعلق اعوان قوم قبیلہ سے تھا۔ وہ عالم، استاد اور شاعر تھے۔ ملتان میں مدفون ہیں۔

۳۔ قاضی محمد عاقل فاروقیؒ (م: ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ء)، وہ ایک قاضی کے فرزند تھے، ان کا تعلق ایک تعلیم یافتہ خاندان سے تھا، ان کا سلسلہ نسب دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے (۳۹)۔ وہ بہاولپور ریاست میں قاضی القضاۃ تھے۔ وہ کوٹ مٹھن (ڈیرہ غازی خان) میں مدفون ہیں (۴۰)۔

۴۔ محمد سلیمان تونسویؒ (۱۱۸۳ھ۔ ۱۲۶۶ھ/ ۱۷۷۰ء۔ ۱۸۵۰ء)۔ خواجہ تونسویؒ کی

مولاناؒ سے ملاقات ان کی زندگی میں نہ ہوئی، لیکن وہ مولانا صاحبؒ کی وفات کے چند روز بعد دہلی میں گئے۔ وہ خواجہ مہارویؒ کے سب سے مؤثر خلیفہ تھے۔ خواجہ تونسویؒ نے اپنے مرشد کی وفات (۱۲۵۰ھ/ ۱۷۹۰ء) کے بعد ساٹھ سال تک نمائندگی کی۔ ان کی علمی فتوحات اور روحانی قیادت کی جھلکیاں ذیل میں حصہ (۵) میں تعارفی کلمات کو دیکھیں: 'چشتی صوفی شیخ کی زندگی کا ایک دن......' خواجہ تونسویؒ کا تعلق افغان قوم کے جعفر قبیلہ سے تھا۔ یہ افغان قبیلہ رحیم دانی کی ایک شاخ ہے۔ ان کا مزار تونسہ (ڈیرہ غازی خاں) دریائے سندھ کے کنارے پر ایک خوبصورت اور بہت وسیع سلسلہ عمارات کے مرکز میں واقع ہے[۴۱]۔

خواجہ مہارویؒ اور ان کے خلفاء کا حضرت مولانا صاحبؒ سے کتابیں پڑھنا:

پنجاب میں خواجہ مہارویؒ نے مولانا صاحبؒ سے خلعت خلافت سے ۱۱۸۳ھ-۱۱۸۴ھ/ ۱۷۶۹ء-۱۷۷۰ء میں سرفراز ہوئے۔ وہ سال میں دو تین ماہ کے لیے مولانا کی وفات (۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء) تک دہلی میں آتے رہے اور اپنے خلفاء کو بھی ساتھ لاتے رہے۔ درج ذیل متن جو کہ ایک بنیادی ماخذ سے لیا گیا ہے اس کا فارسی سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ مقصد یہ وضاحت کرنی ہے کہ کس انداز سے انفارمیشن کے ذریعے حقائق کی جانچ پرکھ کی جاتی ہے۔

"قبلہ عالمؒ کے تین ممتاز خلفاء یعنی خواجہ نور محمد ثانیؒ [نارووالہ]، حافظ محمد جمال ملتانیؒ اور قاضی محمد عاقلؒ اپنے

پیر و مرشد (خواجہ مہارویؒ) کے ساتھ دہلی کا سفر کرتے تھے اور حضرت مولاناؒ کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کرتے تھے۔ وہ ان سے مجاز کی بجائے کتب حقائق (باطنی حقائق) پڑھتے تھے"۔

۲۔ نصیر بخش (فرزند نور الحسن بن قبلہ عالمؒ م: ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء) نے بیان کیا کہ قاضی محمد عاقلؒ نے شرح عبدالحق اور سواء السبیل مولانا سے مکمل پڑھیں[۴۲]۔

قاضی محمد عاقلؒ کے سوانح نگار گل محمد نے مذکورہ اطلاع میں یہ اضافہ کیا کہ قاضی محمد عاقلؒ نے قصیدہ خمریہ کی شرح عبدالرحمن جامی مولانا صاحبؒ سے پڑھی جب کہ اس (گل محمد) نے اپنے مرشد قاضی عاقلؒ سے خمریہ کے چند لامع پڑھے[۴۳]۔

۳۔ صاحبزادہ امام بخش اور غلام دستگیر فرزندان غلام فرید (قبلہ عالمؒ کا پوتا) نے بیان کیا کہ انھوں نے مزید تحقیق سے معلوم کیا کہ قبلہ عالمؒ کے تین خلفاء نے ایک موقع پر قبلہ عالمؒ کے ساتھ سواء السبیل کا متن حضرت مولاناؒ سے پڑھا تھا جب کہ حضرت قبلہ عالمؒ سامع کی حیثیت سے اس میں شریک تھے[۴۴]۔

۴۔ "صاحبزادہ نصیر بخش نے اس مصنف کی موجودگی میں بیان کیا کہ قاضی محمد عاقلؒ جب دہلی سے روانہ ہوئے تو حضرت مولاناؒ نے اپنی لائبریری سے ان کو چار کتابیں بطور تحفہ دیں۔

[پہلی] مکتوبات شیخ عبدالقدوس گنگوہی چشتی انصاری (م: ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ھ)[۴۵]۔ اس مصنف [نجم الدین سلیمانی] نے اس کتاب کو منگھیر ان کے شہر میں دیکھنے کا شرف حاصل کیا تھا[۴۶]۔ یہ بہت نفاست کے ساتھ لکھی ہوئی ہے اور اس کے حاشیہ پر مولانا کے دستخط ہیں [دوسری] المطول[۴۷]، [تیسری] سواء السبیل؛ [چوتھی] ایک مجموعہ جو لوائح جامی اور اس کی شرح قصیدہ ہمزیہ، شرح رباعیات مولانا جامی اور لوائح وغیرہ پر مشتمل تھا۔ رخصت کے وقت قاضی صاحب کو ہدایت کی کہ وہ اسماء حسنیٰ کی تکرار کرتے رہیں یا ذکر جہر کو شعار بنائیں۔

انھوں نے قاضی صاحبؒ کو اجازت دی کہ وہ باجماعت قرآن مجید کی تلاوت کریں یا اور مرحوم چشتی صوفیہ کے ایصال ثواب کے لیے ختم کبیر پڑھا کریں۔ آج تک ان کے خاندان کے افراد ذکر جہر کرتے ہیں اور ختم کبیر بھی کیوں کہ ان کے خلفاء بھی اس میں شرکت کرتے ہیں[۴۸]۔

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا صاحبؒ کی درگاہ میں بہت سی کتابیں پڑھی جاتی تھیں اور ان پر بحث ہوتی تھی۔ ایسے موضوعات شامل ہوتے تھے: حدیث، بلاغت، منطق، اخلاقیات، چشتی طریقہ کی تعلیم اور اس پر عمل، فارسی شاعری بھی پڑھی جاتی تھی۔ اس سرگرمی کی نمایاں خصوصیت مولانا کی ذاتی راہنمائی اور ہدایت تھی جس کی

بنیاد کلاسیکی کتابوں پر تھی۔ ان کتابوں کو زیر بحث لانے کے علاوہ مولانا صاحبؒ اور خواجہ مہارویؒ کے درمیان یہ تبادلہ خیال بھی تھا:

ایک دن حضرت مولانا (رضی اللہ عنہ) اپنے حجرے سے اس حالت میں باہر آئے کہ ان کے ہاتھ میں کتاب فقرات تھی۔ انھوں نے مجھے یہ کتاب دیتے ہوئے فرمایا: ''یہ کتاب تمہارے بہت کام آئے گی۔ اس کتاب کو دل لگا کر پڑھنا کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آسمانی روشنی جذب کیے ہوئے ہے (مؤرث جذبہ)''۔ انھوں نے مزید کہا: ''اگر میں اپنے آپ کو تدریس، کتابوں کا مطالعہ اور مخلوق کے دیگر مسائل میں مشغول نہ رکھوں تو اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں کس ذہنی کیفیت میں چلا جاؤں۔ تاہم انسانیت کے فائدے کے لیے جو کہ بہت اہم کام ہے میں ان کی جانب توجہ دینے پر مجبور ہو جاتا ہوں[۴۹]۔

فقرات اور نور محمد نارووالہؒ

یہ خادم [حکیم عمر قبلہ عالمؒ کا سوانح نگار] میاں نور محمد نارووالہؒ کے پاس کتاب فقرات پڑھ رہا تھا۔ جب متن کی تشریح کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ متن کے ایک نکتے کو سمجھنے میں مشکل پیش آ رہی ہے اور خلیفہ صاحب بھی متأمل تھے یعنی ان کو بھی اس بارے میں یقین نہیں تھا۔ انھوں نے کہا کہ: ''میں اس مسئلے کے متعلق قبلہ عالمؒ سے بات کروں گا''۔ پس جب خلیفہ صاحبؒ اور یہ خادم دونوں قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے متن میں ابہام کے بارے میں بتایا۔ انھوں نے اس اشکال کو فوراً حل کر دیا[۵۰]۔

فقرات اور خواجہ سلیمان تونسویؒ

خواجہ سلیمان تونسویؒ نے تصوف سے متعلقہ بہت سی کتب قبلہ عالمؒ سے پڑھیں جیسے آداب الطالبین [تصنیف محمد گجراتی] عشرۂ کاملہ [تصنیف شاہ کلیم اللہؒ] اور فصوص الحکم [تصنیف ابن العربی] [۵۱]۔ قبلہ عالمؒ نے خواجہ تونسویؒ کو فقرات مستعار دیتے ہوئے کہا:

> ''میاں! یہ کتاب فقرات جو میں نے تم کو پڑھنے کے لیے دی ہے اس کو بہت حفاظت سے رکھنا تا کہ یہ گم نہ ہو جائے اور نہ ہی اس کو نقصان پہنچے۔ یہ کتاب میرے لیے مولانا صاحبؒ کا تبرک ہے''۔ انھوں نے جواب دیا: ''میں اس کی پوری حفاظت کروں گا [۵۲]۔

بعد میں خواجہ سلیمان تونسویؒ نے ایک علمی مجلس میں قبلہ عالمؒ کے خلیفہ کی حیثیت سے خواجہ احرار کے لیے بہت احترام کا اظہار کیا اور فقرات سے پانچ وصیتیں بیان کیں۔ ان پانچ چیزوں کے علاوہ دنیا میں باقی سب چیزیں فضول ہیں:

۱۔ خوراک کی اتنی مقدار جس سے توانائی قائم رہے۔
۲۔ پانی صرف پیاس بجھانے کے لیے۔
۳۔ علم جس پر عمل کیا جا سکے۔
۴۔ گھر صرف رہنے کے لیے۔
۵۔ [کپڑے]، اپنے جسم کو ڈھانپنے کے لیے [۵۳]۔

(۵)

وہ کتب جو مہار شریف میں خواجہ مہارویؒ کی خانقاہ میں زیر بحث آتی تھیں۔ ان کا ایک نمونہ

تفسیر

تفسیر نقرہ کار (تصنیف معین الدین فراہی م ۹۰۷ھ/۱۵۰۲ء [۵۴]) کا متن ایک علمی مجلس میں پڑھتے ہوئے خواجہ مہارویؒ نے تفسیر میں سے قصہ یوسفؑ زلیخا پڑھا [۵۵]۔

حدیث

۱۔ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۱۰ھ/۸۷۰ء) کی الجامع الصحیح البخاری۔ قاضی محمد عاقلؒ نے اپنے مریدوں کو الصحیح البخاری پڑھانے کی روایت قائم کی [۵۶]۔

۲۔ مشکوٰۃ المصابیح تصنیف ولی الدین ابو عبداللہ الخطیب التبریزی (م: ۷۴۱ھ/۱۳۴۱ء) خواجہ مہارویؒ اپنی مجالس میں مشکوٰۃ پڑھاتے تھے اور زیر بحث لاتے تھے [۵۷]۔

فقہ

برھان الدین علی بن ابی بکر (م: ۵۹۳ھ/۱۱۹۷ء) مولانا (فخر دہلویؒ) فقہ کے ماہر مولوی عبدالحکیم سے ھدایہ پڑھتے تھے [۵۸]۔

منطق

تحتانی قطب الدین ابوعبداللہ محمد ابن محمد الرازی (م: ۷۶۶ھ/ ۱۳۶۵ء) کی کتاب تحریر
القواعد المنطقیہ فی شرح شمسیہ (معروف بعنوان قطبی)

خواجہ مہارویؒ جب دہلی پہنچے تو وہ میاں برخوردار جی سے قطبی پڑھتے تھے، پھر انھوں نے کچھ مدت تک حضرت مولاناؒ سے بھی اس کا پڑھنا جاری رکھا(۵۹)۔

عرفان وتصوف

نصیر الدین عبیداللہ احرار (م: ۸۹۵ھ/ ۱۴۹۰ء) کی فقرات شریف اور سواء السبیل
مولانا نے خواجہ مہارویؒ اوران کے خلفاء کو فقرات پڑھائی۔

''قبلہ عالمؒ اوران کے تین خلفاء اکٹھے مولانا صاحبؒ سے سواء السبیل پڑھتے تھے(۶۰)۔

نورالدین عبدالرحمن جامی (م: ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۳ء) کی شرح قصیدہ خمریہ شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح جامی اور اس کی شرح اور نفحات الانس من حضرات القدس۔

قصیدہ ہمزیہ، تصنیف محمد بن سعید البوصیری شدھیلی (م: ۶۹۳ھ/ ۱۲۹۴ء) ابوالحسن علی بن عثمان ہجویریؒ (م: ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۳ء) کی کشف المحجوب۔ اس کو محمد حسین تسبیحی نے ایڈٹ کیا اور یہ اسلام آباد سے مرکز تحقیقات فارسی، ایران و پاکستان نے ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء میں شائع کی۔

فصوص الحکم تصنیف ابن العربی ابوبکر محمد بن علی (م: ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۱ء) سواء السبیل اور کشکول، تصنیف کلیم اللہ ولی شاہجہان آبادیؒ (م: ۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۹ء)

(فارسی میں مع اردو ترجمہ)، دہلی: آستانہ بک ڈپو/ دفتر ماہنامہ آستانہ، س۔ن)۔

عوارف المعارف، تصنیف شہاب الدین سہروردی (م: ۶۳۱ھ/ ۱۲۳۴ء)، ترجمہ از مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ملک کمپنی، س۔ن۔

آداب مریدان (مریدوں کے لیے ضابطہ اخلاق)

آداب الطالبین، تصنیف شیخ محمد گجراتی، دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء

فارسی سے اردو ترجمہ: آداب الطالبین مع رفیق الطلاب و آداب الثلاثہ از بشیر حسین، ترتیب ومرتبہ از ڈاکٹر محمد اسلم رانا۔ لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۸۴ء۔

بلاغت

مطول، تصنیف سعدالدین التفتازانی (م: ۷۹۳ھ/ ۱۳۹۱ء)، مولانا صاحبؒ نے یہ کتاب قاضی محمد عاقلؒ کو بطور تحفہ دی۔ یہ کتاب قاضی صاحب کے طلبہ کو بطور نصابی کتاب پڑھائی جاتی تھی(۶۱)۔

عربی گرائمر (علم النحو)

الکافیہ از ابن حاجب، جمال الدین ابوعمرو عثمان (م: ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء)، کراچی: مکتبۃ البشریٰ، ۲۰۰۸ء۔

خواجہ مہارویؒ قلندر بخش نامی ایک شخص کی عربی قواعد کے اصول یاد کرنے میں مدد کرتے تھے(۶۲)۔

عربی۔فارسی لغات

منتخب اللغات شاہ جہانی (مرتبہ ۱۰۲۶ھ/ ۱۶۱۷ء)، از مولوی عبدالرشید الحسینی المدنی (م: ۱۰۶۹ھ/ ۱۶۵۸ء)، یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ عربی کتابوں کو زیر بحث لاتے ہوئے، عنوانات کے ہجے اور تلفظ معلوم کرنے کے لیے اس کا حوالہ دیا جاتا تھا۔ بطور مثال خواجہ مہارویؒ نے مولوی گہلوی کو پڑھاتے ہوئے اسم معرفہ "ہارون" کا تلفظ معلوم کرنے کے لیے اسی کتاب کا حوالہ دیا(۶۳)۔

(۶)

درج ذیل متن: "پنجاب میں چشتی صوفی شیخ کی زندگی میں ایک دن"...... یہ تحریر خواجہ تونسویؒ کے دو فرزندوں میں سے ایک خواجہ درویش محمد (۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء)(۶۴) کے جواب میں لکھا گیا اور خواجہ گل محمد (م: ۱۲۶۰ھ/ ۱۸۴۴ء)(۶۵)۔ وہ خواجہ مہارویؒ کی توجہات اور روحانی نوازشات کے بارے میں جاننا چاہتے تھے۔ اس پہلے دن سے لے کر جب ان کے والد ہندوستان (دہلی) سے پنجاب میں پہنچے(۶۶)۔

پنجاب کے ایک چشتی صوفی خواجہ نور محمد مہارویؒ کا پنجاب میں ایک دن، خواجہ محمد سلیمانؒ کے الفاظ میں

"جب میں پہلے روز تونسہ سے ایک حکم کے تحت وارد ہوا، تو مجھے ایک ڈیرہ میں رہنے کے لیے کہا گیا اور ایک شخص لنگر میں پکائی گئی خوراک لے کر آیا۔

چونکہ میں وہاں کسی کو نہیں جانتا تھا، اس لیے وہاں خاموش بیٹھا رہا۔ چھ گھنٹوں کے بعد وہی آدمی میرے لیے شربت لایا اور رہنے کے لیے ایک جگہ کی نشاندہی کی۔ اس نے مجھے خشک روٹی دی جس کا وزن قریباً ۱۸ اونس (دو پاؤ) تھا جو میں نے کھالی۔

زوال کے بعد ظہر کے وقت مؤذن نے نماز کے لیے اذان دی۔ میں نے مسجد کی طرف دیکھا اور محسوس کیا کہ یہ وہی مسجد تھی جو لوگوں کے عام اجتماع (کچہری) کے مقام کے قریب تھی اور نشست گاہ جو قبلہ عالمؒ کی رہائش گاہ کے قریب تھی۔ میں نے لوگوں کو وہاں جمع ہوتے ہوئے دیکھا۔ وضو کرنے کے بعد انھوں نے نوافل اور سنتیں ادا کیں۔ میں نے بھی وضو کیا، پھر مجھے معلوم ہوا کہ محترم قبلہ عالمؒ وہاں آئیں گے اور با جماعت نماز ادا کریں گے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد وہ اپنی رہائش گاہ سے وہاں آئے۔ لوگوں نے احترام کے ساتھ ان کو سلام کیا۔ اس دعا کے طالب (خواجہ سلیمان تونسویؒ) نے پانچ یا چھ قدم کے فاصلےؑ سے ان کو سلام کیا...... نماز با جماعت کے بعد بعض لوگ ادھر ادھر چلے گئے تاہم بہت سے جمع ہونے والے لوگ وہاں ٹھہرے رہے اور انھوں نے نماز کا باقی حصہ وہیں ادا کیا۔ دعائے خیر کے بعد، ایک خادم قرآن مجید کا ایک نسخہ لایا اور اس نے اسے قبلہ عالمؒ کے سامنے رکھ دیا۔ انھوں نے اپنے مبارک ہاتھوں سے قرآن مجید کو کھولا اور اس کی تلاوت شروع کی۔ علماء، عابد، فقراء اور دوسرے جمع ہونے والے قبلہ عالمؒ کے اردگرد خاموشی اور احترام کے ساتھ بیٹھ گئے۔ میں ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ جب انھوں نے کلام اللہ شریف (قرآن مجید) کی تلاوت ختم کی تو بعض فقراء اپنی کتابیں اٹھا کر وہاں آ گئے۔ قبلہ عالمؒ نے ان کو ایسے موضوعات...... تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے نامور مسلمان فضلاء کی کتابوں کا سبق دیا۔ انھوں نے اس انداز سے اسباق دیے کہ اساتذہ اور طلبہ ان پر توجہ دے سکیں۔ کوئی بحث وغیرہ نہیں ہوئی۔ اس کے بعد شریعت کے مسائل پر بحث کی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا اور کچہری میں ذکر واذکار کی

محفل تکرار سے ہوئی۔ اس دوران قبلہ عالمؒ نے تسبیح دست مبارک میں لی(۶۷)۔ بعض افراد کے مسائل پر جائز ہونے کا جواب دیا اور بعض کے سوال پر خاموش رہے۔ وہ علماء، فضلاء اور فقراء، جو وہاں موجود تھے، اس تبادلہ خیالات سے مستفید ہوئے۔ میں نے قبلہ عالمؒ کے جوابات سے استفادہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی ثنا کرتے ہوئے جب کہ تسبیح ان کے ہاتھ میں تھی۔ پھر نماز عصر کا وقت آ گیا اور مؤذن نے نماز کے لیے اذان دی۔ بہت سے لوگوں نے انفرادی طور پر سنتیں ادا کیں پھر فرض نماز باجماعت ادا کی گئی۔ قبلہ عالمؒ مغرب کی نماز تک مسجد میں موجود رہے اور خاص طور پر ذکر واذکار میں مصروف رہے۔ قبلہ عالمؒ نے فرض ادا کیے، پھر وہ اپنے عبادت خانے کی جانب چل دیے۔

چند درویشوں نے نماز کا باقی حصہ مسجد میں ادا کیا اور بعض کسی اور جگہ چلے گئے۔ میں نے وہیں نماز ادا کی، پھر میں اپنے ڈیرے پر آ گیا۔ وہاں بیٹھ گیا اور میں نے کلمہ طیبہ کا ذکر جہر تکرار کے ساتھ سنا۔ چند لمحات کے بعد وہ درویش جس نے میرا ساتھ دیا تھا لنگر خانہ کی طرف چلا گیا اور اپنے لیے روٹی لایا اور دوسروں کے لیے بھی اس مقدار کی روٹی لے آیا۔ وہ لنگر کے نگران (لانگری) کا پیغام لایا کہ میں لنگر خانہ جاؤں اور اس روٹی کا حصہ لے لوں جو میرے لیے مقرر کی گئی تھی۔ ہم نے خاموش کے ساتھ روٹی کھالی اور کچھ دیر کے بعد وہاں عشاء کی نماز کی اذان ہوئی۔ میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں گیا۔ کچھ وقت کے بعد قبلہ عالمؒ بھی مسجد میں تشریف لے آئے اور انھوں نے فرض باجماعت ادا کیے۔ اس کے بعد وہ اپنے عبادت خانہ کی طرف چلے گئے۔ صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون سے درویش قبلہ عالمؒ کے ساتھ گئے اور کون

ان کے ساتھ نہ گئے اور انھوں نے رات کہاں گزاری۔ ہم رات گزارنے کے لیے اپنے ڈیرہ پر آ گئے۔

علی الصبح کچھ وقت کے لیے کلمہ طیبہ کے ذکر جہر کی آواز ہر طرف سے آ رہی تھی۔ صبح صادق کے وقت نماز کے لیے اذان دی گئی۔ گزشتہ دن کی طرح عبادت گزار مسجد میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ یہ خیر خواہ بھی وہاں حاضر ہوا۔ کچھ وقت کے بعد قبلہ عالم (رضی اللہ عنہ) نورانی چہرے کے ساتھ اپنے حجرے سے باہر آئے۔ یہ حجرہ مشرقی جانب واقع تھا اور مسجد کے صحن میں کھلتا تھا۔ ان کے ظاہر ہونے سے مشتاق حاضرین کی آنکھیں روشن ہو گئیں، اس کے بعد ہر ایک نے ان کو سلام کیا۔ ہمیں بھی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔

نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد وہ اپنے عبادت خانہ میں چلے گئے۔ درویشوں میں سے بعض تو مسجد میں ٹھہرے رہے، اور بعض اپنی رہائش گاہوں کی طرف چل دیے۔ میں مسجد میں ہی بیٹھا رہا۔

طلوع آفتاب کے چند گھنٹوں کے بعد میں نے درویشوں کو دیکھا جو قبلہ عالمؒ کے عبادت خانے کے دروازے سے باہر آ رہے تھے اور جاتے ہوئے وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اسی دوران حجرہ کا دروازہ کھلا۔ میں نے دیکھا کہ دروازہ پر کچھ فقیر درویش موجود تھے اور کچھ سلام پیش کر کے باہر نکل رہے تھے (۶۸)۔ میں بھی دروازے کی طرف گیا اور سلام پیش کیا۔ جب قبلہ عالم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھے دیکھا تو انھوں نے مجھے اندر آنے کا اشارہ کیا اور حاضری کا کہا۔ اس وقت وہاں کوئی اور نہیں تھا۔

انھوں نے مہربانی کرتے ہوئے میرے سفر کے حالات دریافت کئے اور دہلی اور اجمیر میں میری زیارتوں کے بارے میں دریافت کیا۔ انھوں نے بالخصوص مولانا (فخر الدین رضی اللہ عنہ) کی زیارت کے متعلق معلوم کیا۔ اس کے بعد میں نے تمام کی زیارت کے متعلق بتایا۔ حضرت مولاناؒ کے مقدس دانت کے تبرک کی زیارت کے متعلق بھی بتایا اور میں نے مولانا کی وفات کے بعد تیسرے دن قل خوانی کی تقریب میں شرکت کا ذکر بھی کیا۔ جب آپ (خواجہ مہارویؒ) نے حضرت مولانا کے دانت کی زیارت اور قل خوانی کا سنا، تو انھوں نے اپنا سر اپنے زانو پر رکھ لیا[۶۹]۔ جب انھوں نے اپنا سر اٹھایا، تو انھوں نے فرمایا: ''میاں! تم خوش قسمت ہو''۔ پھر انھوں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا: ہاں، تم نے چولستان کے [۷۰]خطرناک سفر کے دوران ہمسفر لوگوں کو چھوڑ دیا اور الگ سے نماز پڑھی۔ تم کو ان سے الگ نہیں ہونا چاہیے تھا [بلکہ اس کی بجائے ان کے ساتھ] یقین کر لینا چاہیے تھا کہ وہ بحفاظت اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ اس کے فوراً بعد انھوں نے مجھے کچھ تعلیم دی جس پر مجھے ثابت قدم رہنا چاہیے۔ پھر انھوں نے اکیلے ایک مقام پر بیٹھنے کی ہدایت کی اور انجام کار مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ ان کی ہدایت کی وجہ سے میں زیادہ عقل مند ہو گیا اور تعلیم پر عمل کیا۔

ضمیمہ ا:

دہلی: مولانا فخر الدینؒ کا نیا مسکن: اختتامی تبصرہ

اس کے ستون سورج کی آرام گاہ ہیں ..
اس کی خیابانیں مسرت وشادمانی سے بھری ہوئی ہیں

اس کی گلیاں جنت کے راستوں کی مانند ہیں
اس کی آب و ہوا خوبصورت اور خوشگوار ہے
چندر بھان برہمن[۷۱]۔

شاعر چندر بھان برہمن اس طرح ۱۶۴۸ء۔ ۱۶۴۹ء میں اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے جب نئے شہر شاہجہان آباد (اصل نام دہلی) کی تعمیر مکمل ہوئی۔ جو شاہجہان (عہد حکومت: ۱۶۲۸ء۔ ۱۶۵۸ء) کی نگرانی میں مکمل ہوا، یہ تاج محل کو بھی بنانے والا تھا۔

دہلی نے کئی صدیوں میں تباہی کے مناظر دیکھے۔ اس کی تعمیر کے ایک سال بعد ۱۷۳۹ء میں نظام الملک آصف جاہ اول (۱۱۳۲ھ۔۱۷۲۰ء)۔۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء)، ریاست کا حکمران)، مولانا کا رشتہ دار اور سرپرست اپنے مصاحبین کے ساتھ دہلی میں آیا تاکہ حکمران مغل شہنشاہ محمد شاہ (عہد حکومت: ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۹ء۔ ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ھ) کی طرف سے نادر شاہ سے بات چیت کرے۔ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، پس آصف جاہ اور اس کی انتظامیہ میں ایک نوجوان آفیسر، درگاہ قلی خان (پ ۱۷۱۰ء) نے اس سال دہلی کی لوٹ مار اور غارت نگری کو دیکھا جو نادر شاہ افشار (ایرانی حکمران، عہدِ حکومت: ۱۱۴۹ھ/ ۱۷۳۶ء۔ ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء) نے کی۔ ہزاروں باشندے مارے گئے اور دہلی کی گلیوں اور تنگ و تاریک راستوں میں کشت وخون کا بازار گرم کیا گیا۔ درگاہ قلی خان تین سال (۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء۔ ۱۱۵۴ھ/ ۱۷۴۱ء) دہلی میں ٹھہرا اور اس نے مرقع دہلی کتاب (دہلی کی البم) لکھی، اس کی بنیاد اس کی ڈائری

(بیاض) تھی۔ یہ کتاب اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ نادر شاہ کی بربریت اور لوٹ مار کے باوجود اندرون شہر محفوظ رہا۔ شہر کی آبادی کی ہمت اور ان کی ادبی اور تہذیبی سرگرمی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

اس سرگرم عمل شہر میں اعلیٰ تعلیم کے دو مدرسے تھے۔ مدرسہ رحیمیہ اور مدرسہ غازی الدین خان جس کی بنیاد غازی الدین خان فیروز جنگ (م:۱۱۲۲ھ/۱۷۱۰ء)، آصف جاہ کے والد نے رکھی۔ ان مدارس کے اردگرد ادباء، مؤرخین، فقہاء، صوفیہ اور عالموں (سکالرز) کی کہکشاں موجود تھی۔ ان میں شاہ ولی اللہ (۱۱۱۵ھ/۱۷۰۳ء۔ ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) اور ان کے چار فرزند، مرزا مظہر جان جاناں (م:۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) جو سلسلہ نقشبندیہ کے صوفی شیخ اور شاعر تھے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م:۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) صوفی عالم اور جج...... یہ مظہر جان جاناں کے مرید اور شاہ ولی اللہ کے شاگرد تھے اور سراج الدین خان آرزو (م:۱۷۵۶ء/۱۱۷۰ھ) جو ادبی نوجوان، ماہر لسانیات، ادبی نقاد اور سوانح نگار تھے۔

اس پس منظر میں مولاناؒ دہلی میں ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۱ء میں پہنچے۔ انھوں نے جلد ہی خود کو دہلی کے سماجی، ثقافتی اور عالمانہ ماحول میں ضم کر لیا[۷۲]۔ جو خانقاہ انھوں نے اپنے پیچھے اورنگ آباد میں چھوڑی تھی اور ان کے والد نظام الدین کو جو جدوجہد اپنے ہم مرتبہ نقشبندی طریقہ کے ماننے والوں کے ساتھ کرنا پڑی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا صاحبؒ نے دہلی میں سازگار ماحول پایا، ان کے والد نے جس دباؤ کو برداشت کیا، اس سے آزادی حاصل کی۔ یہاں انھوں نے نشوونما پائی اور ان سے رابطہ کیا جوان

کے پاس تعلیم حاصل کرنے اور روحانی تربیت کے لیے آتے تھے۔ انتظام اللہ شہابی نے مولانا صاحبؒ کے تیرہ خلفاء کا ذکر کیا ہے، بشمول خواجہ مہارویؒ۔ ان سب نے تمام برصغیر میں خانقاہیں قائم کیں[۷۳]۔ اس مطالعہ (تحقیق) کو اس تک محدود رکھا گیا کہ کس طرح خود خواجہ مہارویؒ نے اپنے چار خلفاء کی اسی طرح علوم ظاہری اور باطنی میں تربیت کی۔ مولانا صاحبؒ نے ان کے دلوں میں کتابوں کی اہمیت کی شمع کو روشن کیا اور ان کا مستقل مطالعہ کرنے اور جمع کرنے کا شوق بھی پیدا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے جنوبی پنجاب کے دور افتادہ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبوں میں اثرات مرتب ہوئے۔ دو صدیوں سے زیادہ مدت میں، خواجہ نور محمد مہارویؒ اور ان کے خلفاء نے اپنے اردگرد سماج کی تعلیمی، روحانی اور سماجی و اقتصادی ضروریات کو پورا کرنے میں خدمت کی۔ مزید تحقیق ان اثرات اور ارتقاء میں تسلسل و تبدیلی کا معائنہ کرے گی۔

مجموعی طور پر ہم خلیق احمد نظامی کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں کہ شاہ فخر الدینؒ چشتیہ سلسلہ کی نظامیہ شاخ کے مجدد تھے۔ انھوں نے سلسلہ نظامیہ میں حیات نو کی بنیاد رکھی[۷۴]۔

ضمیمہ۲:

اضافہ/تتمہ

نادر شاہ کی دہلی کی تباہی کے بعد درگاہ قلی خاں کی آراء ان دو ادیبوں کے بارے میں لکھی جاتی ہیں۔

مرزا مظہر جان جاناں

"آپ کی نزاکت مزاج امتزاج گلشن معرفت کی آب وہوا کی پروردہ ہے اور تعریف وتوصیف سے بے نیاز ہے۔ اس امید میں کہ شاید کبھی ان کی مدح میں اوراق گل کا تار و پود کام آئے۔ باد صبا سرگرم چمن آرائی ہے اس خیال سے کہ کسی قلم نرگس کو ان کی خوبیاں تحریر کرنے کا موقع ملے۔ قوت نامیہ گلشن پیرائی میں مصروف ہے۔ جس منظر پر ان کا کلام لکھا جائے اس کے تار رگِ گل سے بنائے جائیں' تو مناسب ہو گا۔ اگر ان کے افکار کے مسودات چشم بلبل کے پردے پر تحریر کئے جائیں تو درست ہے۔ ان کے روزمرہ کی پاکیزگی اور گفتگو کی دلآویزی نکہت گل کی طرح سامعین کے مشام جاں کو معطر کرتی ہے......" (۷۵)

سراج الدین علی خان آرزو

"اگر آپ کا کلام بہار آفریں پنکھڑوں پر لکھا جائے تو گل منت پذیر ہوگا۔ آپ کے نوائے شعر سے بلبل بہار سبق لیتی ہے۔ ان کی گفتگو کی رنگینی سامعہ کو گل وگلزار کر دیتی ہے اور ان کے روزمرے کی بہار فضائے بزم کو چمنستان بنا دیتی ہے۔ آپ کے اشعار کا مسودہ سونے کے ورق سے لگا کھاتا ہے اور آپ کے خیال کے تازگی فکر کی رگوں سے خون ٹپکا دیتا ہے۔ آپ

کے کلام کی بیاض عشاق کے بازو کا تعویز ہے اور کلام کا مسودہ محبت کرنے والوں کے لیے حمایل ہے۔ شاعروں کی محفلوں کی رونق ہے اور نکتہ سنجوں کی مجلسوں کے چشم و چراغ ہیں۔ دہلی کے تمام سخنور آپ کی صحبت کے متمنی ہیں اور دارالخلافہ کے تمام مراسلات کے آرزومند ہیں۔ چوں کہ آپ کے کمالات میں مصاحبت کا فن مضمر ہے' اس لیے اہل دُول سے ان کی خوب صحبتیں رہتی ہیں۔ تمام محفلوں میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ جس محفل میں وہ جب تشریف لائے ہیں، تہنیتی کلمات بلند ہونے لگتے ہیں۔ اور جس محفل میں جلوہ افروز ہوتے ہیں' صدائے مرحبا گونجنے لگتی ہے۔ ان کے مشتاقوں کو اتفاق ہی سے ان کی صحبت نصیب ہوتی ہے"۔ (۷۶)

ضمیمہ ۳:

ہر مرشد کے ملفوظات کے مصنفین

(۱) مولانا فخر الدینؒ

۱۔ غازی الدین خان نظام۔ مناقب فخریہ' دہلی: مطبع احمدی' ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء۔ (۷۷)

نظام (نظام الملک آصف جاہ کا پوتا) (۷۸) اور مولانا کے ایک قریبی مرید۔ وہ ایک سکالر اور کثرت نگار شاعر تھے جنہوں نے اردو' فارسی' ترکی اور عربی زبانوں میں شاعری کی (۷۹)۔ انھوں نے مغل شہزادے کے وزیر کی حیثیت سے بھی کام

کیا۔ بعد میں شہنشاہ شاہ عالم (۱۱۴۱ھ/ ۱۷۲۸ء۔۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۶ء)[۸۰] کے وزیر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ نظام کا انتقال (۱۲۱۵ھ/۱۸۰۰ء) میں کالپی میں ہوا۔ (یہ انڈیا میں اتر پردیش کے موجودہ ضلع جلان میں واقع ہے)

۲۔ سید نور الدین حسین فخری، فخر الطالبین۔ دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء۔ فخری مولانا صاحبؒ کے قریبی مرید اور سوانح نگار تھے[۸۱]۔ وہ نور الدین حسین خان کے نام سے معروف ہیں۔ اس کتاب میں بھی خواجہ مہارویؒ کے بارے میں ستائشی بیانات درج ہیں۔

(۲) نور محمد مہارویؒ

۱۔ قاضی محمد عمر بیت پوری، خلاصۃ الفوائد، ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (Ms. No. S-6270/1)

قاضی محمد عمر بیت پوری خواجہ نور محمد مہارویؒ کے مرید اور ان کے سوانح نگار تھے۔ وہ علوم اسلامیہ میں خاصی دسترس رکھتے تھے۔ وہ پیشہ کے اعتبار سے طبیب تھے اور قاضیوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

(۲۔الف) خواجہ مہارویؒ و سلیمان تونسویؒ

۱۔ نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین (تدوین ۱۲۷۸ھ)، لاہور: مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۴ء۔

حاجی نجم الدین سلیمانی (۱۳۳۴ھ/ ۱۲۸۷ء) خواجہ سلیمان تونسویؒ کے مرید تھے۔ مناقب چشتی صوفیہ کا خلاصہ ہے بالخصوص بحوالہ خواجہ مہارویؒ اور خواجہ

تونسویؒ۔ مصنف کو تعلیم یافتہ سکالر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ وہ علوم اسلامیہ اور تصوف میں گہرائی سے تربیت یافتہ تھے۔ اس کے علاوہ وہ مؤرخ، سوانح نگار، شاعر اور محقق بھی تھے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

ضمیمہ حاجی نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین، تذکرہ حضرت قبلہ عالمؒ خواجہ نور محمد مہارویؒ و حضرت نجم الدین سلیمانی۔ اس کا مکمل اردو ترجمہ افتخار احمد چشتی نے کیا۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء۔ ضمیمہ از کاتب "حاجی نجم الدین صاحب، مؤلف مناقب المحبوبین" ص۔ ۶۴۹۔ ۶۹۰۔

۲۔ امام الدین۔ نافع السالکین، ملفوظات شاہ سلیمان تونسوی۔ دہلی: مطبع مرتضوی، ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۳ء۔

(۳) خواجہ نور محمد نارووالہؒ

محمد گہلوی، خیر الاذکار، ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (Ms. No. 6270/2) مکتوبہ ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء۔

اس کے مصنف محمد بن غلام محمد ہیں[۸۲]۔ محمد گہلوی خواجہ نور محمد نارووالہؒ کے مرید تھے۔[۸۳] خیر الاذکار میں گہلوی کے مرشد کے مناقب شامل ہیں بشمول مناقب حافظ سلطان پوری۔ گہلوی ایک استاد تھے اور بہت سی نصابی کتابوں کی شروح کے مصنف تھے۔[۸۴] خیر الاذکار دری فارسی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔[۸۵] گہلوی شاعر تھے اور اپنی منظوم تخلیقات کو عربی اور فارسی زبانوں میں بیان کرتے تھے۔[۸۶] وہ اپنے گاؤں گہلوان میں (علی پور مظفر گڑھ) میں فوت ہوئے۔ ان کی آخری وصیت کے مطابق ان

کوحاجی پور میں ان کے مرشد خواجہ نارووالہ ؒ کے مقبرہ کے قریب دفن کیا گیا۔ (۸۷)

(۴) قاضی محمد عاقل ؒ

گل محمد احمد پوری۔ ذکرالاصفیائی تکملہ سیر الاولیاء۔ دہلی: مطبع رضوی، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء

خواجہ گل محمد احمد پوری ؒ (۱۱۶۹ھ/۱۷۵۶ء۔۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء) قاضی محمد عاقل کے مرید اور خلیفہ تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب: ذکرالاصفیائی تکملہ سیر الاولیاء اپنے مرشد کی وفات کے بعد ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء کے قریب مکمل کی۔ یہ محمد بن مبارک کرمانی معروف میر خورد (۸۸) کی کتاب تکملہ کے مماثل معلوم ہوتی ہے۔ تاہم اس کو اس کی جامعیت کی وجہ سے الگ کتاب سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ تمام بڑے بڑے چشتی صوفیہ کے حالات بیان کرتی ہے اور نور محمد مہاروی ؒ اور مصنف کے مرشد قاضی محمد عاقل ؒ کے حالات تفصیل سے بتاتی ہے۔ ہم صرف اسی کتاب کے ذریعہ سے ہی جانتے ہیں کہ خواجہ مہاروی ؒ کو حدیث پڑھانے کی اجازت ملی تھی۔ (۸۹)

(۵) حافظ محمد جمال ملتانی ؒ

عبدالعزیز پرہاروی، گلزار جمالیہ، چک نمبر ۱۱۴/ آئی آر، تحصیل خانیوال: مکتبہ جمال، س۔ن۔

عبدالعزیز پرہاروی ؒ (۱۲۰۶ھ/۱۸۲۴ء) حافظ محمد جمال ملتانی ؒ کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ وہ ذہین اور کثیر التصانیف سکالر تھے (۹۰)۔ انھوں نے عموماً عربی زبان میں مختلف موضوعات پر لکھا جیسے مذہب، منطق، علم طب، عملی فلسفہ، فطری علوم اور دیگر مختلف النوع موضوعات (۹۱)۔

پرہاروی شاعر بھی تھے۔ انھوں نے عربی اور فارسی میں لکھا (۹۲)۔ علامہ پرہاروی اپنے قصبے پرہار غربی میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہیں (۹۳)۔ علامہ پرہاروی ؒ نے اپنے مرشد کے ملفوظات اور زندگی پر ایک ادب پارہ ان کی وفات کے تین روز بعد لکھا (۹۴)۔ یہ مختلف ناموں سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ جیسے رسالہ جمالیہ، انوار جمالیہ اور گلزار جمالیہ وغیرہ۔

(۶) امام بخش مہاروی ؒ (۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء۔۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء)

(خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کے پوتے) [خواجہ نور محمد مہاروی ؒ کی چوتھی پشت میں]

امام بخش مہاروی، گلشن ابرار فارسی مخطوطہ، کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، چشتیاں شریف بہاولنگر تالیف ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء۔۱۸۶۷ء۔

...... گلشن ابرار اردو ترجمہ حدیقۃ الاخیار، ترجمہ گلشن ابرار، ترجمہ و مرتبہ صالح محمد ادیب تونسوی، ملتان: مطبع صدیقہ، ۱۹۵۰ء۔

امام بخش مہاروی ابن غلام فرید ابن نور احمد، خواجہ مہاروی ؒ کے دوسرے فرزند اور مہار شریف خانقاہ کے دوسرے سجادہ نشین۔ وہ خواجہ خدا بخش خیر پوری (۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء) کے مرید اور خلیفہ تھے (۹۵)۔ امام بخش کا انتقال ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں ہوا اور اپنے دادا کے مزار میں اپنے والد کے قریب چشتیاں شریف میں دفن کیے گئے۔ امام بخش صاحب علم سکالر اور پانچ کتابوں کے مصنف تھے۔ وہ شاعر بھی تھے۔ ان کی شاعری کا مجموعہ بعنوان: "دیوان اعجاز" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کے سوانحی حالات حدیقۃ الاخیار ترجمہ گلشن ابرار (محولہ بالا) کے آخر میں دیکھیں (۹۶)۔

حوالے وحواشی

۱۔ عمر سیت پوری، قاضی محمد، خلاصۃ الفوائد (مخطوطہ ذخیرہ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور)، شمارہ ۶۲۷/۱، مکتوبہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء۔ ورق ۳۶ ل۔

۲۔ عمر سیت پوری، قاضی محمد، محولہ بالا۔

۳۔ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، جلد ۵ (دہلی: ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۸۴ء)، ص۔۲۳۶۔۲۳۷۔

۴۔ تاہم یہ خواجہ فخر الدین کے لیے آسان فیصلہ نہیں تھا۔ مولانا کی پیش گوئی خلاصۃ الفوائد سے بیان کی جاتی ہے"...... مولانا اپنے والد کے مقبرہ پر قیام کرتے تھے اور لوگوں کی صوفیانہ طریقہ کی طرف راہنمائی کرتے تھے اور اسلامی شریعت کی طرف بھی بلاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز انھوں نے غیب سے یہ مصرع سنا: ''اے بیٹے! گرہ کو کھول دے اور آزاد ہو جا''۔ خواجہ بزرگ (معین الدین چشتی اجمیری م: ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) نے ان کو دہلی آنے کا مشورہ دیا۔ انھوں نے خیال کیا کہ ان کے والد نے شاہجہان آباد کے بارے میں بتایا تھا، لیکن وہ اپنے والد کی خانقاہ کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ ایک روز انھوں نے (خواب میں) یہ شعر اپنے شیخ (والد) سے سنا:

شہِ اقلیم فقرم بے خودی تختِ روان من
نہ چوں فرہاد مزدورم نہ چوں مجنوں زمیندارم

[''یعنی میں فقر کا بادشاہ ہوں، بے خودی میرا تخت رواں ہے، نہ میں فرہاد کی طرح مزدور ہوں اور مجنوں کی طرح زمیندار بھی نہیں ہوں'']

اس سے مولانا نے نتیجہ نکالا کہ شیخ نے ان کو دہلی جانے کی اجازت دے دی ہے۔ پس وہ دہلی آ گئے (عمر سیت پوری، خلاصۃ الفوائد، ورق ۱۴۔ل)۔

۵۔ تذکرہ نگار لکھتے ہیں کہ اورنگ آباد میں بچہ فخر الدین کی ولادت پر شاہ کلیم اللہؒ نے دہلی سے ان کے والد نظام الدینؒ کو مبارک باد کا خط لکھا جس میں انھوں نے بچے کا نام فخر الدین رکھا اور ان کو مولانا کا لقب دیا۔ یہ پیش گوئی بھی کی کہ نومولود شاہجہان آباد (دہلی) کو ہدایت و ارشاد کی روشنی سے منور کرے گا۔ بحوالہ: غازی الدین خان نظام، مناقب فخریہ (دہلی: مطبع احمدی، ۱۳۱۵ھ/۱۸۸۷ء)، ص۔۵۔

۶۔ نظام، مناقب فخریہ، ص۔۱۰۔

۷۔ عمر سیت پوری، خلاصۃ الفوائد، ورق ۳ب۔۴ل۔

۸۔ ایضاً، ورق ۷ب۔

۹۔ ملفوظات کی تعلیمات اور تکنیک کی متنی اور زبانی تجزیہ کی تفصیل جاننے کے لیے درج ذیل حوالہ دیکھیں:

"The textual formation of oral teachings in the early Chishti order. in Carl W. Ernst, External Garden. Mysticism, History, and Policies at a South Asian Sufi Center. Abany: State University of New York, 1992.

pp. 62-84

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

Khaliq Ahmad Nizami, in Nizam ad-din Awliya,' [Fava'id al-fuad: Morals for heart: Conversations of Shayhk Nizam ad-din Awliya, recorded by Hasan Sijzi. New York: Poulist Press, 1992, Introduction, pp.3-59.

۱۱۔ عمر سیت پوری، محولہ بالا، ورق 1۔ب۔

۱۲۔ کلیم اللہ ولی شاہجہان آبادی، کشکول کلیمی، فارسی مع اردو متن ترجمہ (دہلی: آستانہ بکڈپو، س۔ن)، ص۔۶۱۔

۱۳۔ عمر سیت پوری، محولہ بالا، ورق۔۳ل۔

۱۴۔ ایضاً، ورق ۱۷ ل۔۱۸ب۔

۱۵۔ خلیق احمد نظامی، محولہ بالا، ص۔۸۸۔۱۴۴۔

۱۶۔ فخر الدین مولانا، بیاض (واردات فخریہ)، ''پیش لفظ'' (تحریر نثار احمد فاروقی) مشمولہ: اخلاق احمد دہلوی، تذکرہ حضرت فخر جہان دہلوی (لاہور: میاں اخلاق احمد اکیدمی، ۱۹۹۷ء)۔

۱۷۔ عمر سیت پوری، محولہ بالا، ورق ۲۷ل۔

۱۸۔ فخر الدین مولانا، فخر الحسن، عربی متن مع اردو ترجمہ، مترجمہ افتخار احمد چشتی (فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی، ۱۹۹۳ء)۔

۱۹۔ ولی اللہ، شاہ۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (دہلی: ن۔پ، ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳۔۱۸۹۴ء)۔

۲۰۔ خلیق احمد نظامی، محولہ بالا، ص۔۱۹۹۔۲۰۰۔

۲۱۔ خواجہ مہاروی پاکپتن اور اس کے گردنواح سے واقف تھے۔ وہ اساتذہ کی تلاش میں ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں تک جایا کرتے تھے۔ وہ ایک مسجد سے ملحق مکتب میں جایا کرتے تھے جو ایک چھوٹے قصبے بہلانہ میں واقع تھا۔ یہ مقام پاکپتن کے قریب واقع تھا۔ ایک شہر جو دریائے ستلج کے قریب واقع تھا۔ یہ صوفی شیخ فرید الدین (گنج شکرؒ) کے مزار کے ساتھ تھا۔ ،،

۲۲۔ عمر سیت پوری، محولہ بالا، ورق ۵ب۔

۲۲۔ ل محولہ بالا۔

۲۳۔ نظام العقائد المعروف بہ عقائد نظامیہ، مع اردو ترجمہ از سید دوست محمد چشتی نظامی (لاہور: میاں محمد اصغر، ۱۹۷۳ء)، ص۔۱۰۔۱۱۔

۲۴۔ محمد اجمل چشتی، تاج العارفین (چشتیاں شریف: مرکز تعلیمات فریدیہ، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء)، ص۔۱۷۰، ۱۷۶۔

۲۵۔ ٹوپی کے چار گوشے یا زاویے کا مطلب یہ ظاہر کرنا تھا ''(۱) ترک دنیا، یعنی دنیا کو چھوڑ دینا؛ (۲) ترک عقبیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لیے نہ کی جائے کہ آخرت میں ثواب/اجر ملے گا (۳) ترک مولیٰ، یعنی فنافی اللہ کی منزل ہے (۴) ترک ترک، یعنی مکمل توحید کی منزل پر پہنچنا، یہ اعلان کرنا کہ وہ واحد و یکتا ہے'' (بحوالہ: نثار احمد فاروقی، چشتی تعلیمات اور عصر حاضر میں ان کی معنویت (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۸۳ء)، ص۔۳۴ [اس کلاہ چہارتر کی تفصیل مذکورہ کتاب کے صفحات از ۳۱ تا ۳۴ پر دی گئی ہے]۔

۲۶۔ نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین (لاہور: مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء)، ص۔ ۵۹۔

۲۷۔ امام بخش مہاروی، گلشن ابرار، مخطوطہ، کتب خانہ چشتیاں شریف (کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ)، ص۔ ۵۰۔۵۵۔

...... گلشن ابرار، اردو ترجمہ حدیقۃ الاخیار، مرتبہ صالح محمد ادیب تونسوی (ملتان: مطبع صدیقیہ، ۱۹۵۰ء)، ص۔ ۳۔۳۹۔

۲۸۔ سید نور الدین حسین خان فخری، فخر الطالبین (دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۹ء)، ص۔ ۴۹؛ مولانا کے لباس کے متعلق مزید تفصیل کے لیے اسی کتاب کے صفحہ ۴۹ کو دیکھیں۔

۲۹۔ غازی الدین خان نظام، مناقب فخریہ (دہلی: مطبع احمدی، ۱۳۱۵ھ/۱۸۸۷ء)، ص۔ ۹۔

۳۰۔ عمر سیت پوری، محولہ بالا، ورق ۳ ل۔ ۳ب؛ نافع السالکین کے مصنف نے لنگر کے حوالے سے چار خلفاء کے لنگر کا تقابل کیا ہے۔ "سنا ہے کہ حضرت شیخ نظام اورنگ آبادی قدس سرہ کے وقت درویشوں کو مٹی بھر کچے دانے دیے جاتے تھے اور فخر الاولین والآخرین شیخ محمد فخر الدنیا والدین جہاں آبادی قدس سرہ کے زمانہ میں رات دن میں پاؤ بھر کی ایک ایک روٹی بازار سے لا کر دی جاتی تھی اور وہ بھی کبھی میسر نہ ہوتی تھی۔ راہ حق کے سالکوں نے فقر و فاقہ پر صبر کر کے اپنے کام میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔ حتیٰ کہ بہت سے درویش آپ کے وصال کے بعد اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوئے بلکہ آپ کے آستانہ مبارک پر ہی فوت ہوئے، اور حضرت قبلہ عالمؒ (خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ) کے زمانہ میں درویشوں کو دونوں وقت کی روٹی دی جاتی تھی اور اگر کسی کو کچھ بیماری ہوتی تو اس کے دوا دارو کی طرف کچھ زیادہ توجہ نہیں کی جاتی تھی، اور اس زمانہ میں اس فقیر (خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ) نے

درویشوں کے لیے دو وقت کی روٹی کے علاوہ کپڑے، گھی اور ادویات علیحدہ مقرر کی ہیں تاکہ ہر شخص جمعیت خاطر کے ساتھ حق تعالیٰ کی یاد کر سکے (امام الدین، نافع السالکین (دہلی: مطبع مرتضوی، ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء)، ص۔ ۱۷۔۱۸؛ تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ، اردو ترجمہ نافع السالکین، خواجہ محمد سلیمان تونسوی کے ارشادات و ملفوظات کا گراں قدر مجموعہ، ترجمہ از صاحبزادہ محمد معین للّٰہی (لاہور: شعاع ادب، ۱۹۶۱)۔ ص۔ ۵۸۔۵۹۔

۳۱۔ سید نور الدین خان فخری، محولہ بالا، ص۔ ۴۹۔

۳۲۔ ایضاً، ص۔ ۵۶۔

۳۳۔ غازی الدین خان نظام، محولہ بالا، ص۔ ۳۵۔

۳۴۔ امام بخش مہاروی، محولہ بالا۔ ص۔ ۴۹۔۵۰؛ اردو ترجمہ: محولہ بالا، ص۔ ۳۸۔

۳۵۔ ایضاً، ص۔ ۵۰۔

۳۶۔ عمر سیت پوری، محولہ بالا، ورق ۳ ل۔

۳۷۔ نجم الدین سلیمانی، محولہ بالا، ص۔ ۱۵۷۔۱۵۸۔

۳۸۔ ایضاً، ص۔ ۱۱۴۔

۳۹۔ میراں شاہ، مرزا احمد اختر، مناقب فریدی، مع ارشادات فریدی و مختصر تاریخ بہاولپور (دہلی: مطبع احمدی، ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء)، ص۔ ۴۵۔

۴۰۔ ایضاً، ص۔ ۶۲۔

۴۱۔ افتخار احمد چشتی، تذکرہ حضرت غوث زمان، حضرت زمان، حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

(فیصل آباد: چشتیہ اکادمی، ۱۹۹۵ء)، ص ۔ ۴۸۰ ۔ ۴۹۵ ۔

۴۲ ۔ نجم الدین سلیمانی، محولہ بالا، ص ۔ ۱۱۸ ۔

۴۳ ۔ گل محمد احمد پوری، تکملہ سیر الاولیاء (دہلی: مکتبہ رضوی، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء)، ص ۔ ۱۶۶ ۔

۴۴ ۔ نجم الدین سلیمانی، محولہ بالا، ص ۔ ۱۱۸ ۔

۴۵ ۔ عرفان اور سلوک کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ایک دستی کتاب/ راہنما کتاب ۔

۴۶ ۔ اس وقت مہار سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں واقع تھا ۔

۴۷ ۔ سعد الدین مسعود تفتازانی (م ۷۹۳/۱۳۹۱ھ) نے اس کو ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء میں لکھا، اس کا
موضوع بلاغت ہے ۔ یہ محمد بن عبدالرحمٰن قزوینی (م: ۷۳۹ھ/۱۳۳۸ء) کی کتاب
شرح تلخیص المفتاح کی شرح ہے ۔

۴۸ ۔ نجم الدین سلیمانی، محولہ بالا، ص ۔ ۱۱۸ ۔

۴۹ ۔ امام بخش مہاروی، گلشن ابرار، ص ۔ ۶۴؛ اردو ترجمہ: حدیقۃ الاخیار، ص ۔ ۴۸

۵۰ ۔ عمر بیت پوری، محولہ بالا، ورق ۲۶ ب ۔

۵۱ ۔ نجم الدین سلیمانی، محولہ بالا، ص ۔ ۱۶۴ ۔

۵۲ ۔ ایضاً، محولہ بالا، ۱۶۵ ۔ ۱۶۶ ۔

۵۳ ۔ امام الدین، نافع السالکین، ملفوظات شاہ سلیمان تونسوی (دہلی: مطبع رضوی، ۱۳۱۰
/۱۸۹۲ء)، ص ۔ ۳۱ ۔

۵۴ ۔ معین الدین محمد مسکین فراہی، تفسیر نقرہ کار، المعروف احسن القصص (لاہور، ۱۸۹۱ء) ۔

۵۵ ۔ عمر بیت پوری، محولہ بالا، ورق ۳۱ الف ۔ ۳۱ ب ۔

۵۶ ۔ امام بخش مہاروی، گلشن ابرار، ص ۔ ۲۸۴ ۔

۵۷ ۔ عمر بیت پوری، محولہ بالا، ورق ۳۰ ب ۔

۵۸ ۔ گل محمد احمد پوری، تکملہ سیر الاولیاء، ص ۔ ۱۰۶ ۔ ۱۰۷ ۔

۵۹ ۔ عمر بیت پوری، محولہ بالا، ورق ۷ ب ۔

۶۰ ۔ نجم الدین سلیمانی، محولہ بالا، ص ۔ ۱۱۸ ۔

۶۱ ۔ امام بخش مہاروی، گلشن ابرار (فارسی مخطوطہ)، ص ۔ ۲۸۵ ۔

۶۲ ۔ عمر بیت پوری، محولہ بالا، ورق ۳ الف ۔ ۴ ب ۔

۶۳ ۔ محمد گبھلوی، خیر الاذکار، ورق ۷ ۔ ب

۶۴ ۔ افتخار احمد چشتی صدری سلیمانی، تذکرہ غوث زمان خواجہ محمد سلیمان (فیصل آباد: چشتیہ اکادمی،
۱۹۹۵ء)، ص ۔ ۱۹۷ ۔

۶۵ ۔ ایضاً، ص ۔ ۱۹۸ ۔

۶۶ ۔ یار محمد ابن تاج محمد، انتخاب مناقب سلیمانیہ (لاہور: حمدیہ سٹیم پریس، ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء)،
ص ۔ ۴۱ ۔ ۴۴ ۔

۶۷ ۔ ایضاً، ص ۔ ۴۳ ۔

۶۸ ۔ ایضاً، ص ۔ ۴۴ ۔

۶۹ ۔ یہ خواجہ تونسوی کے مولانا فخر الدین مرحوم کے ایک دانت دیکھنے کی طرف اشارہ ہے ۔

۷۰ ۔ صحرائے چولستان، اس کو مقامی زبان میں روہی بھی کہتے ہیں ۔ یہ بہاولپور (پاکستان) سے
تقریباً تیس میل دور واقع ہے اور تھر صحرا سے جا ملتا ہے جو صوبہ سندھ تک پھیلا ہوا ہے

اور جنوب کی طرف سے ہندوستان/انڈیا سے جاملتا ہے۔

۷۱۔ چندر بھان برہمن، چہار چمن برہمن، ذخیرہ فارسی مخطوطہ، برٹش میوزیم، ص۔ ۱۴۱۔۱۴۲،

ماخوذاز:

Stephenp. Blake, "Cityscape of an Imperial Capital Shahjahanabad in 1739", in *Delhi Through the Ages: Essays in Urban History, Culture and Society*, ed. R.W. Frykenberg (Delhi:Oxford University Press, 1986), p.152.

۷۲۔ مولانا کے دہلی کے سماجی، ثقافتی اور علمی ماحول میں مناسبت اختیار کرنے کی تفصیل جاننے کے لیے دیکھیے: خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، جلد ۵ (دہلی: ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۸۴ء) س۔ ۲۰۳۔۲۳۴۔

۷۳۔ فخری، سید نورالدین حسین، فخر الطالبین، دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۱۵/ ۱۸۹۸ء۔

.....ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی [فخر الطالبین کا اردو ترجمہ] از میر نذر علی درد کاکوروی، تعارف از انتظام اللہ شہابی (کراچی: سلمان اکیڈمی، ۱۹۶۱ء)، ص۔ ۲۵۔

۷۴۔ نظامی، تاریخ مشائخ چشت، جلد ۵، ص۔ ۲۴۱۔

۷۵۔ درگاہ قلی خاں، مرقع دہلی (فارسی متن اور اردو ترجمہ)، مرتبہ و مترجمہ خلیق انجم (دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۹۳ء)، ص۔ ۱۴۷۔۱۴۸۔

۷۶۔ ایضاً، ص۔ ۱۵۱۔

۷۷۔ مولانا کی وفات کے دو سال بعد مناقب کو دہلی میں ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۷ء میں مرتب کیا گیا۔

۷۸۔ مناقب فخریہ (دہلی: مطبع احمدی، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء)، ص۔ ۴۔

۷۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ مشائخ چشت، جلد ۵، س۔ ۱۸۵۔

۸۰۔ نجم الدین سلیمانی، مناقب المحبوبین، اردو ترجمہ افتخار احمد چشتی (فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ص۔ ۱۷۳۔

۸۱۔ دہلی میں مولانا کی سرگرمیوں کے اندراج کی آخری تاریخ ۳۰۔ جون ۱۱۸۶ھ/ ۲۸۔ ستمبر ۱۷۷۲ء تھی۔ دیکھیے: فخر الطالبین، ص۔ ۷۸۔

۸۲۔ احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ھای خطی فارسی پاکستان (اسلام آباد؛ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۸۴ء)، جلد ۴، ص۔ ۱۴۴۲۔

۸۳۔ ایضاً، جلد ۳، ص۔ ۱۴۴۲۔

۸۴۔ ایضاً، جلد ۳، ص۔ ۱۹۳۴۔

۸۵۔ مولوی محمد گھلوی، خیر الاذکار فی مناقب الابرار، ترتیب و تہذیب و حواشی از عبدالعزیز ساحر (واہ کینٹ: قلم کار بیٹھک، ۱۹۱۰ء)، ص۔ ۱۷۔

۸۶۔ ایضاً، ص۔ ۱۰۔

۸۷۔ ایضاً، ص۔ ۱۳۔

۸۸۔ میر خورد، عظیم چشتی صوفی نظام الدین اولیاء کے سوانح نگار، سیر الاولیا کو ۷۵۲ھ۔ ۷۹۰ھ/ ۱۳۵۱ء۔ ۱۳۸۲ء کے دوران لکھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے:

Introduction by Khaliq Ahmad to *Nizamad-Din Awliya*

[Fava'id al- Fava'id: Morals for heart: Conversations of Shaykh Nizam ad-din Awliya, recorded by Hasan Sijzi / translated and annotated by Bruce Lawrence. pp.5-55.

۸۹۔ گل محمد احمد پوری، محولہ بالا، ص۔ ۱۷۰۔ ۱۸۰۔

۹۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: متین کاشمیری، احوال و آثار علامہ عبدالعزیز پرہاروی چشتی نظامی (۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء۔ ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)، (لاہور: مجلس خدام اسلام، ۱۹۹۳ء)، ص۔ ۱۹۔

۹۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ظہور الدین احمد، پاکستان میں فارسی ادب (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، ۱۹۸۵ء)، جلد۴، ص۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵

۹۲۔ متین کاشمیری، محولہ بالا، ص۔ ۴۰۔ ۴۱۔

۹۳۔ ایضاً، ص۔ ۷۰۔

۹۴۔ ایضاً، ص۔ ۴۶۔

۹۵۔ امام بخش مہاروی، گلشن ابرار (فارسی، مخطوطہ)، کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ چشتیاں شریف، بہاولنگر، مرتبہ ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء۔ ۱۸۸۷ء)، ص۔ ۳۶۵

۹۶۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: گلشن ابرار (مخطوطہ)، ص۔ ۳۶۴۔ ۳۶۷؛ اور امام بخش، مخزن چشت، اردو ترجمہ از افتخار احمد چشتی (فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۹ء)، ص۔ ۴۵۵۔ ۴۶۱۔

فہرست مصادر ومنابع
(Bibliography)

ابن الحاجب، جمال الدین ابوعمرو عثمان (م ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۹ء)۔ الکافیہ۔ کراچی: مکتبۃ البشریٰ، ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء۔

ابن الحاجب، جمال الدین ابوعمرو عثمان (م: ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۹ء)۔ الکافیہ۔ یہ درسِ نظامی کے نصاب میں شامل رہا ہے، وہ نصاب جو مدرسہ فرنگی محل لکھنؤ نے مرتب کیا۔

ابن العربی، شیخ الاکبر محی الدین بن عرب (التوفی ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۹ء)۔ فصوص الحکم (والتعلیقات علیہ از عبدالاعلیٰ عفیفی)۔ بیروت: دار الکتاب العربی، س۔ن۔

.... فصوص الحکم، اردو ترجمہ از عبدالغفور اوسی ابن اولاد علی۔ حیدر آباد دکن: مکتبہ شاہی پریس، ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء۔

ابن الفرید (م ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۵ء)۔ قصیدہ فارضیہ خمریہ، عبدالرحمٰن جامی (م: ۸۹۸ھ/ ۱۴۹۳ء) نے اس کی فارسی میں شرح لکھی۔

احرار، نصیر الدین عبیداللہ۔ فقرات شریف۔ حیدر آباد دکن: دکن پریس، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء۔

احمد پوری، گل محمد۔ تکملہ سیر الاولیاء۔ دہلی: مطبع رضوی، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء۔

.... ذکر الاصفیاء فی تکملہ سیر الاولیاء۔ [اردو ترجمہ]۔ بہاولپور: اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء۔

اخلاق احمد، میاں۔ تذکرہ حضرت فخر الدین دہلوی۔ لاہور: میاں اخلاق احمد اکیڈمی، ۱۹۹۷ء۔

افتخار احمد چشتی صمری سلیمانی، پروفیسر۔ تذکرہ غوث زمان، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ۔ فیصل آباد: چشتیہ اکادمی، ۱۹۹۵ء۔

—— حضور قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رضی اللہ عنہ، احوال و مناقب۔ فیصل آباد: چشتیہ اکادمی، ۱۹۹۲ء۔

امام الدین، نافع السالکین۔ ملفوظات شاہ سلیمان تونسوی۔ دہلی: مطبع مرتضوی، ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ء۔

—— تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ، اردو ترجمہ نافع السالکین، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ کے ارشادات و ملفوظات کا گراں قدر مجموعہ، ترجمہ از صاحبزادہ محمد حسین للّٰہی۔ لاہور: شعاع ادب، ۱۹۶۱ء۔

پرہاروی، عبد العزیز۔ گلزار جمالیہ۔ چک نمبر ۱۱۳/ایل آر، تحصیل خانیوال، مکتبہ جمال، س۔ن

التحتانی، قطب الدین محمد ابن محمد [م:۷۶۶ھ/۱۳۶۵ء] تحریر القواعد المنطقیہ فی شرح رسالہ الشمسیہ نجم الدین عمر ابن علی قزوینی [م:۶۷۶ھ/۱۲۷۸ء] یہ کتاب ''القطبی'' کے عنوان سے معروف ہے۔ لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء۔

جامی، نور الدین عبد الرحمن۔ کتاب لوائح۔ لکھنؤ: مطبع نولکشور، ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء۔

—— اردو ترجمہ از سید فیض الحسن فیضی جالندھری۔ لاہور: اسلامک بک ڈپو، ۱۹۷۹ء۔

—— شرح القصیدۃ الخمریہ، شرح (پنجابی میں) القصیدۃ الخمریہ لابن الفرید، عمر بن علی (م:۶۳۲ھ/۱۲۳۵ء)۔ (Hand.list,p.351)

خان، نواب درگاہ قلی سالار جنگ۔ مرقع دہلی۔ حیدر آباد دکن، تاج پریس، س۔ن۔

—— مرقع دہلی (فارسی متن و اردو ترجمہ)، مرتبہ و مترجمہ خلیق انجم۔ دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۱۹۹۳ء۔

راہی، اختر۔ تذکرۂ مصنفینِ درس نظامی۔ لاہور: مکتبہ رحیمیہ، ۱۹۷۸ء۔

ساحر، عبد العزیز، ''مقدمہ''، مشمولہ خیر الاذکار فی مناقب الابرار از مولوی محمد گھلوی، ترتیب و تہذیب و حواشی عبد العزیز ساحر۔ واہ کینٹ، قلم کار بیٹھک، ۲۰۱۰ء۔

—— محراب تحقیق۔ کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۲ء۔

سلیمانی، نجم الدین۔ مناقب المحبوبین۔ لاہور: مطبع محمدی، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء۔

—— مناقب المحبوبین، تذکرہ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ و حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ (مکمل) اردو ترجمہ افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد چشتیہ اکیڈمی، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء۔ ضمیمہ از کاتب ''حاجی نجم الدین صاحب، مؤلف مناقب المحبوبین''، ص۔۶۴۹۔۶۹۰۔

سہروردی، شیخ شہاب الدین، عوارف المعارف، فارسی ترجمہ از ابو منصور عبد المومن اصفہانی تہرانی۔ تہران: شرکت انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء۔

—— اردو ترجمہ از مولانا ابوالحسن۔ لاہور: ملک اینڈ کمپنی، س۔ن۔

الصاغانی، رضی الحسن (م: ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء)۔ مشارق الانوار، مترجمہ خرم علی، مرتبہ عبد الحلیم چشتی (عربی۔اردو)۔ کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء۔

عمر سیت پوری، قاضی، محمد۔ خلاصۃ الفوائد، ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، مخطوطہ نمبر S 6270/1، مکتبہ ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء۔

—— خلاصۃ الفوائد، ملفوظات حضرت خواجہ نور محمد رحمۃ اللہ علیہ مہاروی قبلہ عالم۔ اردو ترجمہ از محمد

بشیر اختر، اللہ آباد، ۱۹۶۱ء۔

العمری، الخطیب (التبریزی)، ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ (م: ۷۴۳ھ/ ۱۳۴۲ء)۔

مشکوٰۃ المصابیح مع الاکمال فی اسماء الرجال۔ لاہور: مطبع گلزار محمدی، ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء۔

مشکوٰۃ الشریف مترجم: اردو ترجمہ از عبدالعلی علوی۔ لاہور: مکتبہ رحیمیہ (س۔ن)۔

[عربی۔ اردو]

شرح مشکوٰۃ المصابیح، عبدالحق محدث دہلوی (م: ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء)، چار جلدوں میں شائع

ہوئی۔

عنایت اللہ، ابوالمعارف محمد الحمی القادری۔ غایۃ الحواشی، ن۔ پ، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء۔

فاروقی، نثار احمد۔ چشتی تعلیمات اور عصر حاضر میں ان کی معنویت۔ لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز،

۱۹۸۳ء۔

فخر الدین مولانا۔ بیاض [واردات فخریہ]، پیش لفظ از نثار احمد فاروقی مشمولہ (تالیف)

اخلاق احمد دہلوی: تذکرہ حضرت فخر جہاں دہلوی۔ لاہور: میاں اخلاق احمد اکیڈمی،

۱۹۹۷ء، ص ۔ ۷۔ ۲۵۔

رقعات مرشدی، مدونہ محمد عبدالصمد، مرتبہ افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی،

۱۹۹۱ء۔

فخر الحسن، عربی متن مع اردو ترجمہ افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی، ۱۹۹۳ء۔

فخر الدین مولانا۔ مکتوبات فخری، حصہ دوم رقعات مرشدی، مدون محمد عبدالصمد۔ فیصل آباد: چشتیہ

اکیڈمی، ۱۹۹۱ء۔

نظام العقائد المعروف بہ عقائد نظامیہ مع اردو ترجمہ از سید دوست محمد چشتی نظامی۔ لاہور:

میاں محمد اصغر، ۱۹۲۳ء۔

فخری، سید نور الدین حسین۔ فخر الطالبین۔ دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۹ء۔

فخری، سید نور الدین حسین۔ ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی، اردو ترجمہ از نذر علی درد کاکوروی۔

کراچی: سلیمان اکیڈمی، ۱۹۶۱ء۔

فراہی، معین الدین محمد [م: ۹۰۷ھ/ ۱۵۰۲ء]۔ تفسیر نقرہ کار، معرف احسن القصص۔ لاہور:

۱۸۹۱ء۔

القشیری، مسلم بن حجاج نیشاپوری (م: ۲۶۱ھ/ ۸۷۴ء)۔ الجامع الصحیح مسلم۔ مرتبہ ۲۵۷ھ

/ ۸۷۱ء۔

کلیم اللہ ولی شاہجہان آبادی۔ تلک عشرۃ کاملۃ، عربی مع اردو ترجمہ از محمد ایوب بن محمد یعقوب

اسرائیلی۔ دہلی: آستانہ بک ڈپو، س۔ن۔

۔۔۔۔ سواء السبیل، عربی مع اردو ترجمہ۔ دہلی: آستانہ بک ڈپو، س۔ن۔

۔۔۔۔ کشکول کلیمی، فارسی مع اردو ترجمہ۔ دہلی: آستانہ بک ڈپو، س۔ن۔

۔۔۔۔ مرقع کلیمی (مع اردو ترجمہ) دہلی: آستانہ بکڈپو، س۔ن۔

گجراتی، شیخ محمد۔ آداب الطالبین۔ دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء۔ فارسی سے اردو میں ترجمہ:

آداب الطالبین مع رفیق الطلاب والباب ثلاثہ، مترجمہ بشیر حسین و مرتبہ محمد اسلم رانا۔

لاہور: پروگریسو بکس، ۱۹۸۴ء۔

گملوی، محمد۔ خیر الاذکار، مکتوبہ ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء، ذخیرۂ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور،

مخطوطہ نمبر S 6270/2۔

مجد الدین فیروز آبادی۔ سفر السعادت، لاہور: مطبع صدیقی، ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء۔

شرح سفر السعادت از عبدالحق محدث دہلوی۔ لکھنؤ: نولکشور، ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۶ء۔

المدنی الحسینی، مولوی عبدالرشید، منتخب اللغات شاہ جہانی۔ مطبع صبح صادق، ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء۔
(تاریخ تالیف: ۱۰۲۶ھ/۱۶۱۷ء)۔

منتخب اللغات۔ لکھنؤ: نولکشور، ۱۳۰۴/۱۸۸۷ء۔ (اشاعتِ ثانی)

مرزا، احمد اختر۔ مناقب فریدی، مع ارشادات فریدی و مختصر تاریخ بہاولپور۔ دہلی: مطبع احمدی، ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء۔

المرغینانی، برہان الدین علی بن ابی بکر (م: ۵۹۳ھ/۱۱۹۷ء)۔ عین الہدایہ، اردو ترجمہ از سید امیر علی۔ لاہور: قانونی کتب خانہ (س۔ن)۔ ۴ جلدیں۔

منزوی، احمد۔ فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان۔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۸۴ء)، جلد ۴۔

مہاروی، امام بخش۔ گلشن ابرار (فارسی مخطوطہ)، کتب خانہ چشتیہ فاروقیہ، چشتیاں شریف، بہاولنگر، سن تدوین ۱۸۶۶ء۔۱۸۶۷ء۔

حدیقۃ الاخیار، اردو ترجمہ گلشن ابرار از صالح محمد صالح ادیب تونسوی۔ ملتان: مطبع صدیقیہ ۱۹۵۰ء۔

مخزن چشت، اردو ترجمہ از افتخار احمد چشتی۔ فیصل آباد: چشتیہ اکیڈمی، ۱۹۸۹ء۔

نظام، غازی الدین خان۔ مناقب فخریہ۔ دہلی: مطبع احمدی، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء۔ اردو ترجمہ ملفوظات

وحالات شاہ فخرِ دہلوی، اردو ترجمہ فخر الطالبین و مناقب فخریہ، مترجم و مرتبہ میر نذر علی درد کاکوروی۔ کراچی: سلمان اکیڈیمی، ۱۹۶۱ء۔

نظامی، خلیق احمد۔ تاریخ مشائخ چشت۔ جلد ۵۔ دہلی: ادارہ ادبیات دلی، ۱۹۸۴ء۔

نوشاہی، عارف۔ خواجہ احرار (۸۰۶ھ۔۸۹۵ھ/۱۴۰۴ء۔۱۴۹۰ء)، معاون مترجم شعیب احمد۔ اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۱۰ء۔

الھجویری، ابوالحسن علی بن عثمان جلابی غزنوی۔ کشف المحجوب، مرتبہ محمد حسین تسبیحی۔ اسلام آباد: مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

ولی اللہ شاہ۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ۔ دہلی: ناشر؟، ۱۳۱۱ھ/ ۱۸۹۳ء۔۱۸۹۴ء)۔

یار محمد ابن تاج محمد۔ انتخاب مناقب سلیمانیہ۔ لاہور: حمیدیہ سٹیم پریس، ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء۔

Alvi, Sajida S., "Renewai of the Cisti order in eighteenth-century Punjab. Converging paths of two Sufi Masters: Maulana Fahr al-Din Aurangabadi and Nur Muhammad Maharavi," *in Muslim Cultures in the Indo-Iranian World during the Early-Modern Periods,* Denis Hermann & Fabrizio Speziale (eds.), Klaus Schwartz Verlag, Berlin, 2010, p. 217-246.

Bashir, Shahzad. *Sufi Bodies: Religion and Society in Medieval Islam.* New youk: Columbia University Press, 2011.

Berkey, Jonathan. *The Transmission of Knowledge in Medieval Cairo: A Social History of Education*. Princeton: Princeton University Press, 1992.

Brahman, Chandar Bhan. *'Chahar Chaman Brahman'* Persian manuscript collection, Or 1892, British Museum, pp. 141-42. Taken from, Stephen P. Blake, "Cityscape of an Imperial Capital Shahjahanabad in 1739." In *Delhi Through the Ages: Essays in Urban History, Culture and Society*. Ed. R.W. Frykenberg. Delhi: Oxford University Press, 1986, pp. 152-191.

Chamberlain, Michael. *Knowledge and Social Practice in Medieval Damascus*, 1190-1350. Cambridge: Cambridge University Press, 1994.

Digby, Simon, trans. *Sufis and Soldiers in Awrangzeb's Deccan: Malfuzat-i Naqshbandiyya*. Translated from the Persian and with an Introduction. New Delhi: Oxford University Press, 2001.

Ernst, Carl W. *Eternal Garden: Mysticism, History, and

Politics at a South Asian Sufi Center. Albany: State University of New York, 1992, pp. 62-84.

------, and Bruce Lawrence, *Sufi Martyrs of Love: The Chishti Order in South Asia and Beyond*. New York: Palgrave Macmillan, 2002.

Green, Nile, "The Uses of Books in a late Mughal Takiyya: Persianate Knowledge between Person and Paper." *Modern Asian Studies*. 44, 2 (2010): 241-265.

-------,"Emerging Approaches to the Sufi Traditions of South Asia: Between Texts, Territories and the Transcendent." *South Asia Research*. 24, 2 (2004): 123-148.

Khan, Nawwab Dargah *Quli Salar Jang. Muraqqa'-i Dehli*. Hyderabad Deccan: Taj Press, n.d.

..........*Muraqqa '-i Dehli*: *The Mughal Capital in Muhammad Shah's Time*. English tr.with Introduction by Chander Shekhar, Shama Mitra Chenoy. Delhi: Deputy Publications, 1989.

Scanned by CamScanner

Koch, Ebba. "The Madrasa of Ghaziu'd Din khan at Delhi," in: *The Delhi College: Traditional Elites, the Colonial State, and Education before 1857*, Margit Pernu (ed). Margrit Pernu (ed.) New Delhi: Oxford university Press, 2006, pp. 35-59.

Makdisi, George. *The Rise of Colleges: Institutions of Learning in Islam and the West.* Edinburgh: Edinburgh University Press, 1981.

Nasr, Seyyed Hossein, "Oral Transmission and the Book in Islamic Education: The Spoken and written Word." *Journal of Islamic Studies.* 3/1 (1992), pp. 1-14.

al-Saghani, Radi al-Hasan [d. 650/1252] *Mashariq al-Anwar.*. tr. Khurram 'Ali, ed. 'Abd al-Halim Chishti (Arabic-Urdu). Karachi: Nur Muhammad Karkhana-i Tijarat-kutub, 1375/1956.

Steinfels, Amina."His Master's Voice: The Genre of Malfuzat in South Asia." *History of Religions.* University of Chicago. 27/10?? (2004): 123-148.

Terzioglu, Derin, "Man in the image of God in the Image of the Times: Sufi Self-Narratives and the Diary of Niyazi-i Misri (1618-94). *Studia Islamica*, 94 (2002), pp. 139-165.

Umar Mohammad. *Islam in Northern India during the Eighteenth Century*. Delhi: Munshiram Manoharlal Publishers PVT Ltd, 1993.

حضرت مولانا [illegible] غزنوی ابن حضرت مولانا [illegible]
غزنوی متوفی ۷ شعبان ۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۲/ اکتوبر ۱۹۳۸ء
......☆...... [illegible]

مسلمانانِ پنجاب و تعلیم محمود غزنوی سے ۱۹۴۷ء تک
تالیف سید مصطفیٰ علی بریلوی ناشر اکیڈمی آف ایجوکیشنل
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ناظم آباد کراچی
74600
قیمت 300